

ہمیں سو گئے داستانِ کھنتے کھنتے

(تاثراتی مضامین)

مغل میں سب رہیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے
بچھڑے ہوئے ملیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے
پتہ کھوں کو یاد کر کے آنسو بہا نہ والے
ہم کو ڈھانپیں دیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے

صلاح الدین نیسار

جملہ حقوق بہ حق مصنف محفوظ ہیں

تاریخ و سن اشاعت	یکم نومبر ۱۹۲۰ء
تعداد صفحات	۱۸۶
تعداد اشاعت	۵۰۰
قیمت	۱۰۰ روپے
کتابت	سید انور احمد
طباعت	اعجاز پرنٹنگ پریس
ناشر	چھتہ بازار - حیدر آباد ۲ صلاح الدین نیشنل

۵۔ ان کے اپنا

- سیاست سبیلی کاؤنٹریٹر - جواہر لال نہرو روڈ حیدر آباد ۱
 - شانی بک ڈپو - چھلی کمان پتھر گٹی - حیدر آباد ۲
 - مصنف - نکھشال ۸۲۴/۷ - ۳ - ۱۱ ایلے جی حیدر آباد ۱
- فون نمبر ۳۳۴۰۰۱۵

ترتیب و ترتبین

”ہمیں سو گئے داستان کہتے کہتے“
صلاح الدین تیرہ

مضامین

- ۱۔ ڈاکٹر سعید محمد الدین قادری زور آورے و کن۔ ناقابل فراموش محسن اردو
- ۱۱۔ پروفیسر حبیب الرحمن۔ اردو زبان و تہذیب کی نمائندہ منفرد شخصیت مجاہد اردو
- ۲۷۔ پروفیسر عبدالغفار لہوری۔ نامور استاد جامعہ عثمانیہ۔ ممتاز محقق
- ۳۲۔ پروفیسر الوظفر عبدالواحد۔ یا کمال صاحب فکر و فن۔ قابل ترین استاد
- ۴۲۔ پروفیسر سید محمد۔ اردو کے خاموش خدمت گزار۔ منفرد ادیب
- ۶۸۔ رائے جافقی برتنادر۔ گنگا جمنی تہذیب کا منہ بولتی تصویر۔ وضع دار شخصیت
- ۷۵۔ عابد علی خاں۔ چشمہ رفیع رواں سوغات دیدہ و دل۔ عظیم صحافی
- ۶۹۔ محبوب حسین جگر۔ میدان صحافت کی منفرد شخصیت۔ نیک انسان
- ۷۸۔ ڈاکٹر حبیبی شاہد۔ ممتاز ماہر تعلیم۔ شفیق استاد ناظم اداہیہ
- ۸۷۔ بھارت چند کھنہ۔ نامور طنز و مزاح نگار۔ ہندو انسان
- ۹۵۔ علامہ حیرت بدایینی۔ کلاسیکی شاعری کے بلند مرتبہ محترم شاعر
- ۱۰۲۔ محمد امجد الدین۔ انقلابی شاعر۔ نفیس انسان۔ طرح دار شخصیت
- ۱۱۲۔ شاید صدیقی۔ فدآور شاعر۔ منفرد طنز نگار
- ۱۲۲۔ علامہ قدیر عریضی۔ عالی قدر۔ ماہر علم عروض، مقبر استاد شاعر
- ۱۳۰۔ محمد رشید احمد جانی۔ جدید ادب و لہجہ کے یا کمال و پُر وقار شاعر

- ارج یعقوبی - جید استاد سخن - ملک الشعراء ۱۳۹
 • سعید شہیدی - تنہائے شعر ہر اک دل کی دھڑکنوں میں ہیں ۱۴۸
 • سلیمان الہیب - پاسِ گریباں اور کٹروی ٹومبو کا شاعر ۱۵۶
 • امیر احمد خسرو - قلندرانہ مزاج - بے نیاز شاعر ۱۶۵
 • غیرات ندیم - خوش مزاج - شاعر دلنواز ۱۷۴
 • شاذ مملکت - نزاکت پسند - نازک مزاج شاعر ۱۸۱
 ۱۸۶

انتساب

اپنے مشفق و محترم والدین اور اپنے معظم و محترم
 اہل خاندان کی اُن اعلیٰ اقدار کے نام جو امیری
 زندگی کا انمول اثاثہ ہیں۔

صلاح الدین نیس

”ہمیں سو گئے داستان کہتے کہتے“

”ہمیں سو گئے داستان کہتے کہتے“ میری ۲۵ ویں کتاب ہے تاہاں
 میری اور مجھ سے متعلق ۲۴ کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے
 مجموعہ کلام: شعل تازہ (۱۹۶۵) زخموں کے گلاب (۱۹۷۲) ضم تراش
 (۱۹۷۸) شکن در شکن (۱۹۷۹) خوشیو کا سفر (۱۹۸۳) رشتوں کی ہلک
 (۱۹۸۶) سفر جاری ہے (۱۹۸۸) یہ کیسا رشتہ ہے (۱۹۹۰)
 کیا کیا جاوے (۱۹۹۲) گلفشاں (۱۹۹۹) نیلم زرقاں (۲۰۰۰)
نثری مطبوعات: سلسلہ پھولوں کا (خودنوشت سوانح ۱۹۹۲)
 پھر وہی پرچھائیاں (مضامین، خاکے، سفر نامے، تبصرے) (۱۹۹۳)
 قافلے یاروں کے (المیہ تخریریں) (۱۹۹۳) کہکشاں (۱۹۹۶) داستان
 (محبوب حسن بکر) (۱۹۹۸) خوشبو سے بہا راں (۲۰۰۱) ہمیں سو گئے داستان کہتے کہتے
تالیف: عظمت عبد القیوم - فن اور شخصیت (۱۹۸۸) عظمت خیابا
 (عظمت عبد القیوم کے مضامین، افسانے، شاعری) (۱۹۸۹) فیضان رسول
 (۱۹۹۵) صالح الطاف، فن اور شخصیت (۲۰۰۱)

صلاح الدین بٹیر سے متعلق کتابیں : فائدہ چلتا ہے گا (صلاح الدین بٹیر
اور شخصیت ۶۱۹۹۲) (از ماکہ الطاف / ڈاکٹر صابرہ سعیدہ)
بٹیر گیتا لو (۱۹۶۵ء) گلی تازہ کی منتخب غزلوں کا منظوم ترجمہ۔ منترجم
شمس الدین کمودی۔ نزمین کار۔ میرالال سوریا۔ صلاح الدین بٹیر فن
اور شخصیت (۶۱۹۹۴)۔

سالِ رواں (۵ جولائی ۲۰۰۱ء) میں خوشبوئے بہاراں کے نام سے
میرے تاشرائی مضامین پر مشتمل کتاب شائع ہوئی ہے جس میں بڑے قید حیات
۲۱ ایسی شخصیتوں پر میں نے مضامین لکھے ہیں جنہوں نے حیدرآباد کی
علمی و ادبی، تعلیمی و صحافتی، فلاحی و اصلاحی، تہذیبی و ثقافتی زندگی میں
کارہائے نمایاں انجام دی ہیں۔ ان محترم شخصیتوں کے اکم گرامی یہ ہیں
نواب شاہ عالم خان، ڈاکٹر سید عبدالمتان، ہاشم علی اختر، ولی قادری
ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، ڈاکٹر زینت ساجدہ، ڈاکٹر سی نارائن ریڈی، پروفیسر
جعفر نظام، ایم باگاریڈی، کنول پریشا کنولی، پروفیسر مفتی تبسم زاہد علی خان
خلیل الرحمن، پروفیسر افضل محمد آصف پاشا، ڈاکٹر شمیم سندھ، ڈاکٹر
وزارت رسول خان، شریتی روڈ امستری، جمال حسین اور ڈاکٹر موہن لال نگم۔
”ہمیں سو گئے داستان کہتے کہتے“ میں شہر کی ۲۱ ایسی نمائندہ

شخصیتوں پر تاشرائی مضامین شامل ہیں جو اوراقِ ماضی کے زمرہ سے
تعلق رکھتی ہیں اور جن کے کارہائے نمایاں حیدرآباد کی علمی، ادبی، تہذیبی و
ثقافتی زندگی میں محفوظ رہیں گے۔ ”خوشبوئے بہاراں“ اور ہمیں سو گئے

داستان کہتے کہتے ہیں شامل تمام شخصیتوں پر جن کو میں نے اپنی ادبی و صحافتی زندگی میں جس طرح محسوس کیا اپنے روابط اور مراسم کی بنیاد پر مضامین لکھے ہیں۔

”اور اوراق ماضی“ سے تعلق رکھنے والی حسب ذیل شخصیتیں ہیں۔
 ڈاکٹر سید محی الدین قادری، ڈر، پروفیسر حبیب الرحمن، پروفیسر عبدالقادر سروری، پروفیسر ابو الطغر عبدالواحد، پروفیسر سید محمد، رائے جانی، پرشاد عابد علی خان، محبوب حسین جگر، ڈاکٹر حسینی شاہد، بھارت چند کھنہ، علامہ حیرت بدایونی، علامہ قدر علی، مخدوم محی الدین، شاہد صدیقی، خورشید احمد جانی، سعید شیدی، ادج یعقوبی، امیر احمد خسرو، سلیمان اربیب، خیرات ندیم اور شاذا تمکنت۔

خوشبوئے بہاراں کے سلسلے کی ایک اور کتاب کے لئے بھی تقریباً ۲۰ شخصیتوں پر مضامین لکھے چکا ہوں۔ انشاء اللہ یہ کتاب بھی بہت جلد شائع ہوگی۔

میری پچھلی کتابوں سلسلہ پھولوں کا، پھروہی پر چھائیاں اور کہکشاں میں حیدر آباد کے زائد از ۳ منتخب شعروں، ادیبوں پر تعارفی مضامین شامل ہیں۔ ماہنامہ ”خوشبو کا سفر“ کے منتخب ادارے بھی نرنیب پاچکے ہیں۔ سرو بخ (مدھیہ پردیش) کے ایک سینئر صحافی و ادیب جناب محمد توفیق خان نے بھی ”خوشبو کا سفر“ کے منتخب ابوابوں پر مشتمل کتاب کے لئے مسودہ تیار کیا ہے یہ کتاب بھی کسی مناسب وقت پر

شائع ہوگی۔ ۱۹۶۳ء تک سیاست اخبار میں محمد علی قطب شاہ سے لے کر
 رئیسِ آخر تک ۱۲۲ اشاعروں پر میرے تعارفی مضامین موعہ نمونہ کلام
 شائع ہوئے ہیں اتار انداز مضامین کو بھی کتابی شکل دی جائے گی۔
 میری یہ بھی خواہش ہے کہ منتخب نعتوں کا مجموعہ شائع کیا جائے۔
 نیلم زرفشاں (۲۰۰۰ء) کی اشاعت کے بعد کئی ہوئی بہت سی غزلیں
 بھی کتابی شکل اختیار کرنے کی منتظر ہیں۔ میں نے اپنے محدود اندازے
 کے مطابق ۱۹۶۰ء سے تاحال تقریباً ۵۰ مضامین لکھے ہیں۔ ۱۹۶۰ء
 سے ہی شعری و ادبی ماحول میرے لئے سازگار رہا اور بغیر کسی رکاوٹ
 کے میرا شعری و ادبی سفر جاری ہے۔ اخبار سیاست سے میری وابستگی
 ۱۹۵۹ء سے ہے جناب عابد علی خاں صاحب ایڈیٹر سیاست اور جناب
 محبوب حسین جگر جو اسٹڈیٹر کی ذہنی تربیت و سرپرستی نے مجھے ادبی دنیا
 میں متحرک رہنے کا حوصلہ دیا۔ ڈاکٹر سعید محمد الدین قادری زور پہلی شخصیت
 ہیں جنہوں نے مجھے ادبی دنیا میں سرگرم عمل رہنے کی ترغیب دی تھی
 ان کے بعد بعض نامور شخصیتوں کے علاوہ جناب عابد علی خان صاحب
 اور جناب محبوب حسین جگر صاحب کی مہربانیاں کچھ زیادہ ہی میرے
 شامل حال رہیں۔ ایمان داری کی بات تو یہ ہے کہ محبوب حسین جگر صاحب
 میری شعری و ادبی زندگی کو سنوارنے میں میرے رہبر و لین رہے ہیں
 ان ہی کی رہبری کی مشعل آج بھی میرے سفر میں سائیکل دے رہی ہے
 اگر جگر صاحب اور عابد علی خان صاحب سیاست کے ذریعہ میری

مناسب حوصلہ افزائی نہ فرماتے تو شاید میں شعروادب سے اپنی دلچسپی کے باوجود وہ مقام نہیں پاتا جہاں میں آج ہوں۔ وقت فوقتاً میرے بعض احباب کے مشورے بھی میرے لئے مفید ثابت ہوتے رہے۔
میں ان تمام شخصیتوں اور ان موافق حالات کا احسان مند ہوں جو ہمیشہ مجھے تلپتے ہوئے صحراؤں میں بھی ٹھنڈی چھاؤں کی سوغات سے نوازتے رہے۔

صلاح الدین نیئر

”کھکشاں“

جدید ملے پلی۔ حیدرآباد

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور

آبروئے دکن، ناقابلِ فراموش محسن اُردو

ہر دور میں کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہوتے ہیں جن کا نام نسل در نسل صحیح روشن کی طرح معذور رہا کرتا ہے۔ یقیناً وہ لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں جو ہزاروں، لاکھوں لوگوں میں اپنی پوری شناخت کے ساتھ اپنے وجود کا احساس دلاتے ہیں اور اس طرح کی شخصیتیں جو مختلف شعبہ حیات سے تعلق رکھتی ہیں ان کے نام نہ صرف وردِ زبان ہی لہتے ہیں بلکہ ان کی خوشبو معاشرہ کے تمام گوشوں کو مہکاتی رہتی ہے وہ لوگ بھی خوش قسمت، سمجھے جائیں گے جنہیں اعلیٰ مرتبت، بلند قامت، قابلِ احترام شخصیتوں کے دور میں پیدا ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور ایسی ہی برگزیدہ قابلِ تعظیم و لائقِ تکریم لوگوں میں سے ایک تھے جو ادبی تاریخ کا ایک اہم اور روشن حصہ سمجھے

جانتے رہیں گے۔ ایسے لوگ جو ایک خاص مقصد کے لئے جیتے اور
مرتے ہیں وہ ہمیشہ یاد رکھیں کہ ڈاکٹر زور اردو زبان اور اردو تہذیب
کے لئے ایک ایسا عظیم سرمایہ تھے جن کے ذکر سے ہی صنفِ اول کے
بلند قامت مجاہدین اردو کے چہرے جگمگانے لگتے ہیں۔ ڈاکٹر زور نے
ادارہ ادبیات اردو کی بنیاد رکھ کر نہ صرف اپنے دور کے مجاہد اردو
کے لئے نمایاں خدمات انجام دیں بلکہ آنے والی نسلوں کو بھی اپنے تہذیبی
ورثے کی سوغات سے نوازا۔ دکنی زبان اور دکنی تہذیب کو بھی
اُجاگر کرنے میں ڈاکٹر زور کا نام سرِ فہرست رکھا جاسکتا ہے ڈاکٹر زور
نے دکنی زبان اور دکنی ادبیات کی تحقیق میں اہم نمایاں خدمات انجام
دی ہیں۔ ڈاکٹر زور کو سرزمینِ دکن کے چپے چپے سے گہری دلچسپی
تھی انہوں نے یہاں کے موسم، یہاں کی آب و ہوا، یہاں کی زبان
اور یہاں کی تہذیب و ثقافت کی اصل قدروں کے تحفظ کے لئے بھی
بہت کچھ سوچا تھا اور انہوں نے بہت کچھ کر دکھایا۔ ڈاکٹر زور کر دار کے
ہی غازی نہیں تھے بلکہ گفتار کے بھی غازی تھے انہوں نے جو سوچا کر
دکھایا۔ جب ڈاکٹر زور نے محسوس کیا کہ بیرونِ حیدر آباد کے لوگ
حیدر آباد کے دانشوروں، یہاں کے علمی و ادبی اداروں اور یہاں کے
مجاہدِ اردو کو نظر انداز کر رہے ہیں تو انہوں نے یہ احساس دلانے کے
لئے کہ حیدر آباد میں بھی کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنی تہذیب، اپنے کلچر
اپنی زبان سے وابستہ رہتے ہیں۔ اپنی سرزمین کے ہر حصہ کو اپنے

بزرگوں کا ایک عظیم ورثہ سمجھتے ہیں۔ زور صاحب نے علم و ادب کی دنیا میں
 اپنے اسلاف کے عظیم کارناموں کی بازیافت کے لئے قدم اٹھایا ادارہ
 ادبیات اردو کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ماری اردو دنیا کو
 حیدر آبادیوں کے وجود کا احساس دلایا جائے۔ حیدر آباد میں کیا نہیں
 ہے؟ حیدر آباد نے کیا کچھ نہیں دیا؟ اگر حیدر آباد کا دامن کشادہ
 نہ ہوتا، یہاں کے ارباب حجاز فراخ دلی کا مظاہرہ نہ کرتے تو ملک
 بھر کے مشاہیر ادب ہرگز حیدر آباد کا رخ نہ کرتے۔ حیدر آباد نے
 باہر سے آئے والوں کو پناہ دی۔ اپنی امان میں رکھا۔ اُن کی روٹی
 روزگار کا انتظام کیا اور انھیں باوقار انداز میں جذب شہری کی
 طرح یہاں کے ماحول میں سانس لینے کا موقع فراہم کیا۔ ڈاکٹر زور
 نے جب اپنے رفقاء کے کار کے تعاون سے ادارہ ادبیات اردو کا قیام عمل
 میں لایا تو شہر کے دانشوروں اور صاحبانِ علم و فن سے مختلف موضوعات
 پر کتابیں لکھوائیں۔ تصنیف و تالیف کا کام جاری رہا۔ وہ اہم دستاویز
 جو ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے اُن کا تحفظ کیا۔ اُن دنوں ادارہ
 ادبیات اردو کے امتحانات اردو دانی، زبان دانی، اردو عالم،
 اردو فاضل کا بڑا چرچہ تھا۔ اردو شہر و ادب سے ابتداء ہی سے
 دلچسپی تھی۔ میں نے اردو عالم اور اردو فاضل کے امتحانات امتیازی
 حیثیت سے کامیاب کیے۔ اُس زمانے میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
 سے میٹرک کا امتحان کامیاب کرنے کے بعد ادیبِ کامل (علی گڑھ) کا امتحان

کامیاب کیا تھا اچھا منہ نظر مہیہ سے منشی فاضل کا انتخاب ہی پاک کیا تھا۔ اُن دنوں میں نے ادارۂ ادبیات اردو کی ادبی تقاریب و مشاعروں میں شرکت کرنا شروع کی تھی میں بھی اُس دور کے بعض نوجوان شاعروں اور ادیبوں کی طرح ڈاکٹر زور کی نظر میں آ گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کرتا رہا۔ ڈاکٹر صاحب ہر ملاقات میں اردو زبان سے دلچسپی لینے اور شعر و ادب کی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کی تلقین کیا کرتے تھے ڈاکٹر زور کی سرپرستی اور اُن کی کرم فرمائیوں سے میں ادارۂ ادبیات اردو میں ہونے والی ہر ادبی تقریب میں مدعو کیا جاتا تھا خاص طور پر مشاعروں میں شرکت لازمی سمجھی جاتی تھی۔ میں نے ادارۂ ادبیات اردو میں ہونے والے بیسیوں مشاعروں کی محنت کے فرائض انجام دیئے ہیں میں نے ادارۂ ادبیات اردو ہی میں پہلی دفعہ اردو کے نامور شاعر ملک چند محرم (والد محترم پیرو فیروز جگن ناتھ آزاد) کو دیکھا تھا میری ان پر اُس وقت نظر پڑی جب وہ ادارۂ ادبیات اردو کے وہاں خانہ کی طرف جا رہے تھے ادارۂ ادبیات اردو بھی انجن ترقی اردو کی طرح شعری و ادبی تقاریب کے لئے مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ اگر ان دنوں بیرون شہر کے نامور ادیب و شاعر اردو جامعات سے تعلق رکھنے والے اساتذہ حیدر آباد آتے تو ادبی نشست اور غیر مقدّمی تقریب ہوا کرتی تھی مجھے وہ مشاعرہ بھی یاد ہے جس میں نامور ترقی پسند شاعر سجاد ظہیر صاحب کا خیر مقدم کیا گیا تھا ان کے اعزاز میں ابوان اردو میں مشاعرہ ہوا تھا

میں نے بھی کلام سنایا تھا شہر کے نمائندہ شعرا مدعو تھے اس مشاعرہ
میں ڈاکٹر زور نے پہلی دفعہ اپنا کلام سنایا تھا انہوں نے یہ غزل سنائی تھی
ایسے بے درد و بداندیش یہاں ہیں کچھ لوگ
جو سمجھتے نہیں پائندہ نغماں ہیں کچھ لوگ
اک نگاہ غلط انداز سہی دیکھ تو لیں
آپ کے چاہنے والوں میں یہاں ہیں کچھ لوگ

پینے والے مئے و مینا پہ نظر رکھتے ہیں :

چشم ساقی کی طرف کیوں نگراں ہیں کچھ لوگ

زندگی زندہ دلی، ذوق، طلب، شوق، عمل
عہد پیری میں بھی اے زور جوان ہیں کچھ لوگ
اس غزل سے متاثر ہو کر حیدر آباد میں بعض انجمنوں نے طرحی مشاعرے
رکھے۔ ڈاکٹر زور کو ادارہ ادبیات اردو کی علمی و ادبی تقاریب سے
والہانہ وابستگی تھی وہ جانتے تھے کہ ادارہ ادبیات اردو کے زیر اہتمام
ہونے والی ہر ادبی تقریب پر شہر کی شہرت سیاری رہے۔ یوم محمد قلی قطب شاہ
تقاریب میں ہر سال پابندی سے شرکت کرتا تھا، احاطہ گنبد محمد قلی قطب شاہ
کو لکندہ قلعہ میں ہونے والی اقتصادی تقریب میں لازماً شریک رہتا۔
اُس تقریب کے سارے انتظامات، ڈاکٹر زور کی رات نگرانی میں
انجام پاتے تھے اُس تقریب میں کثرت سے عوام و خواص شرکت کرتے تھے
جلہ گاہ میں تیل بھرنے کی جگہ ہمیں رہتی تھی افتتاحیہ تقریب کے شعبہ
انتظامی کے صدر آغا حسین ضابطہ (بیروانی) کہتے تھے ایک فقرہ کا واقعہ ہے

کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی تھی جلسہ گاہ میں داخل ہونے کے لئے زور آزمائی کا مظاہرہ ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر زور شاہ نشین کے قریب انتظامات کی نگرانی کر رہے تھے ڈاکٹر صاحب نے وہیں سے حسین ضابطہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ حسین ضابطہ۔ منبسط ضبط۔ یہ جملہ آج بھی میرے کانوں میں گونجتا رہتا ہے اب نہ ڈاکٹر زور ہیں اور نہ ہی حسین ضابطہ رہے لیکن یہ واقعہ مجھے برسوں بعد یاد ہے۔ ڈاکٹر زور کی خواہش تھی کہ میں یوم محمد قلی قطب شاہ کی افتتاحیہ تقریب میں مخدوم محی الدین صاحب کی نظم بھاگ متی ترنم سے سناؤں۔ میں نے یہ خوشی آمادگی ظاہر کی اور اپنے لئے باعث فخر سمجھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے ڈرائیونگ روم میں مجھے اپنے بڑے صاحبزادے تقی الدین سے ملوایا۔ مجھ سے نظم بھاگ متی سنانے کی خواہش کی۔ میں نے ترنم میں نظم سنائی۔ لیکن انھیں میرا ترنم کچھ زیادہ پسند نہیں آیا تو انہوں نے اپنے بڑے صاحبزادے تقی الدین سے کہا کہ ترنم سناؤ۔ تقی الدین کا ترنم ڈاکٹر صاحب کو پسند آیا پھر مجھ سے فرمایا کہ تم اس ترنم میں نظم سناؤ۔ میں نے سنائی۔ ڈاکٹر صاحب کو ترنم پسند آیا۔ پیر و گرام میں میرا نام شامل کر لیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ وقیرہ تھا کہ وہ کسی بھی شخص کو کوئی کام تفویض کرنے سے پہلے اطمینان حاصل کرتے تھے۔ میں نے افتتاحیہ جلسے میں ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں نظم سنائی جو کافی پسند کی گئی۔ ڈاکٹر صاحب بہت خوش ہوئے اور مجھے مبارک باد دی۔ یوم محمد قلی قطب شاہ تقاریب کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے بین کلیانی بیت بازی کا اہتمام

کیا تھا مجھے کمنو شیر بنایا گیا تھا بیت بازی کی محفلیں نواب طاہر علی خان کے درون خانہ
 (علی کا بیٹا) کے مہزہ زار پر منعقد کی جاتی تھیں۔ فائیل مقابلہ اندرون گیند
 محمد قلی قطب شاہ منعقد ہوا تھا۔ کلیات انات (ویمینس کلج) کی ٹیم
 فائیل میں آئی تھی۔ اُس زمانے میں بزم اردو کلب انات کی میز ڈاکٹر
 شمیمہ شوکت تھیں اور صدر بزم فاطمہ نسرتین، میں اردو کالج میں بی او ایل
 کا طالب علم تھا اور بزم اردو کا صدر بھی۔ میں پہلی دفعہ ویمینس کلج گیا تھا ڈاکٹر علا
 فقوری جو ان دنوں نظام کلج میں بی اے کے طالب علم تھا اور شمیمہ اردو کے ترجمان
 "طلوع" کے ایڈیٹر تھے میرے ساتھ تھے میں نے ساتھ چلنے کے لئے کہا تھا۔ ہم
 دونوں ویمینس کلج کے اسٹاف روم میں بٹھایا گیا اسٹاف روم میں ڈاکٹر
 شمیمہ شوکت سے ملاقات ہوئی اور میں نے اپنے آنے کی وجہ بتلائی اور کہا
 کہ بیت بازی کے بین کلیاتی مقابلے جو یوم محمد قلی قطب شاہ کے سلسلے میں منعقد
 ہو رہے ہیں میری خواہش ہے کہ ان میں ویمینس کلج کی ٹیم بھی شرکت کرے
 اُس وقت آرٹس کلج (عثمانیہ یونیورسٹی) کے علاوہ شہر کے کالجوں کی ٹیموں
 نے اپنا نام بیت بازی مقابلے کے لئے رجسٹر کروایا تھا۔ ڈاکٹر شمیمہ شوکت
 نے مجھ سے تعاون کیا اور فاطمہ نسرتین بواُس وقت بی اے فائیل کی طالبہ تھیں
 اور صدر بزم اردو بھی تھیں بلوایا اور ہم سے تعارف کروایا۔ اردو کالج
 اور علی کا بیٹا میں منعقدہ مقابلہ بیت بازی میں ویمینس کلج کی ٹیم نے حصہ
 لیا اور اپنی بہتہ بہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ یہ ٹیم فائیل میں آگئی اندرون
 گیند محمد قلی قطب شاہ بیت بازی کا فائیل مقابلہ ہوا۔ پروفیسر بگن ناخہ

آد ادا نے علامہ اقبال کی غزل کا پہلا مصرعہ پڑھا اور اس طرح بہت بازی
 کا آغاز ہوا۔ اس مقابلے میں وینس کلج کی ٹیم نے کامیابی حاصل کی اور
 افتتاحیہ جلسے میں انعامات کی تقسیم عمل میں لائی گئی۔ افتتاحیہ تقریب
 کا آغاز ۵ بجے شام میں ہوا تھا انعامات کی تقسیم ہوئی۔ ڈاکٹر خمینہ شوکت
 کی خواہش کے مطابق مجھے اختتامی تقریب کے بعد وینس کلج کی طالبات
 کو اپنے ساتھ شہرے جانا تھا یہ تمام سڑکیاں افضل گنج بس اسٹانڈ پر
 میری رہبری میں اُتریں۔ وہاں سے وہ کتاؤں کے ذریعہ اپنے اپنے گھر
 چلی گئیں۔ سب سے آخر میں جانے والی فاطمہ سرین تھیں ان کے ہمراہ ان کی
 چھوٹی بہن فرخ تھی جب ان سڑکیوں کے ذریعہ میرے اس حُسنِ انتظام کی
 خبر ڈاکٹر خمینہ شوکت کو ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئیں۔ ڈاکٹر خمینہ شوکت
 نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ سڑکیوں کو گولکنڈہ بھیجنا ایک مسئلہ تھا ان کے
 والدین اجازت نہیں دے رہے تھے اور کہا کہ میں آپ کی ذمہ داری پر بھیج
 رہی ہوں۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ میں یوں ہی ادارہ ادبیات اردو
 چلا گیا تھا ڈاکٹر زور سے ان کے مکان کے سبزہ زار پر ملاقات ہوئی ڈاکٹر صاحب
 کرسی پر تشریف فرما تھے سامنے ایک ٹیبل تھا اور اس کے ساتھ بیٹے
 کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑی محبت سے مجھے بٹھایا
 اور فرمایا کہ تم ادارہ کی تقاریب میں دلچسپی لیتے رہو۔ میری یہ خواہش
 ہے اور فرمایا تم اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر بھیج دوں گا۔ اس طرح کی حوصلہ افزائی کرنے

والے آج کہاں ہیں؟ اور اگر ہیں تو بہت کم۔ ڈاکٹر زور بخشی
 غلام قادر پیرا علی کشمیر کے زمانے میں صدر شعبہ اردو کشمیر یونیورسٹی کی
 حیثیت سے فائزر ہے۔ بخشی غلام محمد کی خواہش تھی کہ ڈاکٹر زور پر عہدہ
 قبول فرمائیں۔ ڈاکٹر زور کچھ نہیں اس عہدہ پر فائزر ہے اور وہیں
 پر یہ آفتاب اردو غروب ہو گیا۔ ڈاکٹر زور کے انتقال کی خبر حیدر آباد میں چل کی
 آگ کی طرح پھیل گئی۔ میت کا انتظار کیا جاتا رہا لیکن موسم کی خرابی کی وجہ سے وہاں نماز میت کا
 اہتمام نہ تھا وہیں درگاہ حضرت بل کے احاطہ میں تدفین عمل میں لائی گئی۔
 حیدر آباد میں ہزاروں سوگواران زور کو مایوسی ہوئی ان کا آخری دیدار نہ کر سکے
 یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ ڈاکٹر زور کے بعد پروفیسر عبدالنقاد سردری ہلاتی
 صدر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کو ڈاکٹر زور کی جگہ صدر شعبہ اردو کشمیر یونیورسٹی مقرر کیا
 گیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد ہی ان کا بھی انتقال ہو گیا سردری صاحب بھی وہیں
 سپرد خاک ہوئے۔ ڈاکٹر زور اپنے حیدر آبادی ہونے پر فخر محسوس کرتے تھے
 شمالی ہند کے بڑے بڑے مشاہیر زبان و ادب ان کی قد آور شخصیت کو
 تسلیم کر چکے تھے زور صاحب اپنی ساری زندگی باوقار انداز میں بیہ سبب ہمدانی
 شان و آداب کے ساتھ گزاری۔ ڈاکٹر زور نے حیدر آبادیوں کو یہ احساس دلایا
 کہ احاس کمتری اس شخص سے لئے سم قائل ہے جو اپنے آپ کو دوسروں کے
 مقابلے میں کمتر سمجھتا ہے وہ کہتے تھے کہ اپنی زمین، اپنی شناخت کے لئے تادم زبیت
 سرگرم عمل رہنا چاہیے۔ ڈاکٹر زور کی ساری زندگی اس بات کی روشن علامت
 رہی کہ انسان کو اپنی طاقت کے بل بوتے پر جتنا چاہیے مانگنے کے احوال کو دماغ سے
 بے حس کرنے چاہیے ڈاکٹر زور نے حیدر آباد کے علم کاروں کو یہ احساس دلایا کہ کسی کرام نے سرزنز
 قبول کیا۔ ہمیشہ اپنا سرا کھانچے رکھیں۔

پروفیسر حبیب الرحمن

اردو زبان و تہذیب کی نمائندہ مشہور شخصیت مجاہد اردو

زبان و ادب کے تکمیل طلب مسائل آج ہی نہیں ہر دور میں رہے ہیں اور ہر زبان کے لئے رہے ہیں۔ زبان و ادب کے نام پر بہت کچھ تھا اور کرتے والے لوگوں میں اپنی زبان اور اپنی تہذیب کی بقا و ترویج کے لئے دیوانہ وار وابستگی کا جذبہ موجود رہتا ہے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کے لئے اگر قدم قدم پر رکاوٹیں حائل رہیں تو ان کو دور کرنے کے لئے مخلصان تہذیب و تمدن، مجاہدان زبان و ادب پیش پیش رہتے ہیں جہاں تک اردو کا تعلق ہے ہر محب اردو سے توقع نہیں رکھی جا سکتی کہ وہ جی جان سے زبان و ادب کی خدمات انجام دے گا البتہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کے لئے روز و شب منہمک رہتے ہیں یہ سنسارانِ اردو واقف ہیں کہ قسبِ نرقتی اردو سارے ملک میں اردو کے مسائل کی جھوٹی کے لئے جلدی رول ادا کرتی آ رہی ہے مرکزی انجمن کے علاوہ علاقائی شاخوں نے جتنی زبان و ادب کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ کہتے

میں حتی بہ جانب ہیوں کہ مرکزی انجمن ترقی اردو کی طاقت کو بڑھانے کے لئے
 علاقائی انجمنوں کی کارکردگی کا رول بھی اہم ہوتا ہے۔ یہ بات بھی صاف ہے
 کہ ہر تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے کچھ ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے دم سے
 سرگرمیاں جاری رہتی ہیں۔ حیدرآباد میں اردو زبان کے تحفظ و بقا اور اس کے
 مختلف النوع مسائل کی یکسوئی کے لئے انجمن ترقی اردو نے مولوی حبیب الرحمن
 کی سرکردگی میں نمایاں کام انجام دیا۔ مولوی صاحب نے تادم زائنت اردو کے
 ایک سچے ہمدرد، بھی خواہ، اور بے لوث مجاہد کی حیثیت سے نمایاں خدمات انجام
 دی ہیں جس زمانے میں حبیب الرحمن صاحب انجمن کے معتمد تھے اس زمانے میں
 اردو کے نئے نئے مسائل کی یکسوئی کے لئے انجمن کو کچھ زیادہ ہی متحرک ہونا پڑا تھا
 حبیب الرحمن صاحب نے انجمن ترقی اردو کی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لئے
 اپنی زمین کا عطیہ دے کر فراخ دلی کا ثبوت دیا۔ آج جس جگہ اردو حال اور پیش
 اردو کالج، اردو انس کالج قائم ہیں وہ جگہ مولوی حبیب الرحمن کی عطا کردہ ہے
 آج اردو حال گلشن کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے مولوی حبیب الرحمن کے
 نے انجمن ترقی اردو کی سرگرمیاں کافی عروج پر تھیں جن میں عابد علی صاحب
 جیسے ایک معتمد، ماکرطینی شاہد اور سری نو اس لائیوٹی جیسی شخصیتوں کا
 بھرپور تعاون حاصل تھا جس زمانے میں لسانی بنیادوں پر ریاستوں کی
 تقسیم جدید عمل میں آئی تو ریاست حیدرآباد کو کنگا، آندھرا پردیش کے نام سے
 منسلک ہو گئی۔ اردو زبان، اردو تہذیب کا جو ماحول حیدرآبادیوں کے
 لئے نہایت اہم و مشکلات پیدا ہونے لگیں۔ حکومت آندھرا پردیش نے

اُردو زبان کے ساتھ سوتیلی ماں جیسا سلوک کرنا شروع کیا جس کی وجہ سے اُردو والوں کو نئی جی الجھتوں اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اُردو کے تحفظ اور تعلیم کی ترقی کے لئے حکومت کو بے اغتنائی کا مقابلہ کرنے کے لئے انجن کو متحرک ہونا پڑا۔ اُس دور کی حکومت کے سربراہوں سے مسلسل اُردو والوں کی جنگ چا رہی رہی۔ حکومت نے ریاستوں کی تقسیم کے وقت جو شرطیں عائد کیں تھیں اُس سے انحراف کیا۔ اُردو کے مسائل جو اُس کے توں سرد خانے کی نذر ہو گئے تھے نا انصافی کی جاتی رہی۔ لیکن اُردو والے خاموش نہیں رہے۔ اُس زمانے میں انجن ترقی اُردو کے بارشمار جلسے ہوا کرتے تھے جن میں شہر کی نمائندہ شخصیات شرکت کرتی تھیں۔ مولوی حبیب الرحمن نے سب کا ساتھ دیا خاص طور پر عابد علی خان صاحب کی رفاقت نے بھی انجن کی سرگرمیوں کو ہمیں کیا۔ نواب میر احمد علی خان سابق وزیر داخلہ حکومت آندھرا پردیش انجن کے صدر تھے کانگریس پارٹی سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اُردو کے بہت سے معاملات میں رہنمائی کرتے رہے جب ضرورت حکومت سے نمائندگی کرتے رہے۔ ڈاکٹر حبیبی شاہد اور سری نواس لالہ ٹی انجن کے جلسوں میں پیش پیش رہتے تھے مولوی حبیب الرحمن نے اُردو حال کے قیام کے لئے نہ صرف اپنی زمین کا عطیہ دیا بلکہ اُس کی تعمیر اور ترقی کی سرگرمیوں میں بھی کافی دلچسپی لی۔ مولوی حبیب الرحمن صاحب کی معتمدی کے زمانے میں پی وی نرسہاراؤ وزیر تعلیم تھے جو اُردو والوں کے لئے ہمیشہ مشکلات پیدا کرتے تھے۔ بعض وقت ایسا بھی ہوا کہ ان سے مولوی حبیب الرحمن صاحب کو اُلجھنا پڑا۔ پی وی نرسہاراؤ کا ذہن اُردو والوں کے لئے صاف نہیں تھا۔ اُردو

زبان کی ترقی و تحفظ کے ہر مسئلہ پر پنا انصافی کو وہ اپنا نصب العین بنا چکے تھے
 لیکن اردو والوں نے ہمت نہیں یاری۔ مولوی حبیب الرحمن کا ایک لہجہ کا نام
 اور نیشنل اردو کالج اور اردو آرٹس کالج کا قیام ہے ان دو کالجس سے بہت سے
 طلباء نے اردو میں تعلیم حاصل کر کے اپنے مہذب ہونے کا ثبوت دیا۔ انجن
 ترقی اردو کے انتظامیہ کے تحت پہلے اور نیشنل اردو کالج قائم ہوا اور
 اس کے دو تین سال بعد اردو آرٹس کالج کی اجازت ملی حکومت نے
 اور نیشنل اردو کالج کے قیام سے پہلے ہندی کالج کے قیام کی اجازت دی تھی۔ یہ
 اتفاقاً دیگر ہندی کالج کے قیام کے سبب اردو کالج کا قیام عمل میں لایا گیا مولوی
 حبیب الرحمن جامعہ عثمانیہ میں معاشیات کے پروفیسر تھے بی اے میں آپ کی
 کتاب اصول معاشیات شامل نصاب رہی۔ وظیفہ حسن خدمت کے بعد
 انجن ترقی اردو کے کاموں میں دلچسپی لینی شروع کی اور زبان و ادب کے
 لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ کالج کی سرگرمیوں کی تشہیر کے سلسلے میں روزنامہ
 سب سے بہت بڑا تعاون کیا۔ جناب عابد علی خان صاحب نے بھی انجن
 کی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لئے شخصی دلچسپی لینی شروع کی۔ اردو ہال کی
 تعمیر کے موجب مالیہ کی ضرورت ملاحظہ ہوئی انہوں نے خطیر رقم کا انتظام کیا
 اپنے اشرف و سرور کو کام میں لائے ہوئے عطیات وصول کیے۔ آج اور نیشنل
 اردو کالج اور اردو آرٹس کالج کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں اردو کالج کی
 طالب علمی کے زمانے میں اور اردو مجلس کی سرگرمیوں کے سلسلے میں مجھے مولوی
 حبیب الرحمن کو بہت قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا جس سے ان کی تہذیب کے

مختلف پہلو میرے سامنے آ گئے۔ مجھے مولوی حبیب الرحمن کو اردو حال اور کلج کے ماحول میں دیکھنے کا اتفاق ہوا کرتا تھا۔ میں انجن ترقی اردو کی سرگرمیوں سے استفادہ کرتا رہا۔ انجن کے تمام جلسوں میں شرکت کرتا تھا۔ مولوی حبیب الرحمن کے زمانے میں اردو کے بے شمار جلسے ہوتے رہے۔ اردو کی بڑی بڑی شخصیتوں کے خیر مقدمی جلسے ہوتے تھے۔ میں نے انجن ترقی اردو کے زیر اہتمام منعقدہ جلسوں میں پیڈنٹ آئنڈ ٹرائس ملا صدرا انجن ترقی اردو کو مخاطب کرنے ہوئے دیکھا ہے پروفیسر رشید احمد صدیقی اور پروفیسر سلیمان حسین کے خیر مقدمی جلسے میں بھی شریک رہا ہوں۔ صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین اور فخر الدین علی احمد صاحب کے خیر مقدمی جلسوں میں بھی مجھے شرکت کرنے کا موقع ملا۔ دلیپ کمار اور دیگر فلمی اداکاروں کو اردو حال کے جلسوں میں دیکھ چکا ہوں اس دور میں جتنے مشاہیر اردو حیدر آباد آتے۔ انجن ترقی اردو کی جانب سے ان کے خیر مقدمی جلسے پیدا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے فلمی اداکارہ سادھنا نے بھی ایک جلسے میں شرکت کی تھی مولوی حبیب الرحمن نے مجھے اردو مجلس کا سکریٹری نامزد کیا تھا اس وقت رائے جانکی پرشاد اردو مجلس کے صدر تھے جانکی پرشاد صاحب کے بعد مولوی حبیب الرحمن اردو مجلس کے صدر رہے۔ اردو مجلس کے پروگراموں کو قطعاً دینے کے سلسلے میں اکثر اوقات مولوی حبیب الرحمن سے ملاقات کا موقع ملتا تھا۔ میں ۱۸ برس تک اردو مجلس کا معتمد رہا۔ میری معہدی کے زمانہ میں پابندی کے ساتھ جلسے منعقد ہوتے تھے۔ مولوی حبیب الرحمن کی یہ خواہش رہتی تھی کہ اردو مجلس کے جلسے بہتر سے بہتر انداز میں ہوتے رہیں

میری معتمدی کے ۱۸ برسوں میں بے شمار جلسے ہوتے رہے مولوی حبیب الرحمن میری کارکردگی سے بے حد مطمئن تھے۔ میں نے کبھی انہیں شکایت کا موقع نہیں دیا۔ میں اور شیلا اردو کالج کا طالب علم تھا اور اورینٹل اردو کالج کی پیم اردو کا صدر بھی تھا میری اردو زبان و ادب سے دلچسپی کا مولوی حبیب الرحمن کو اندازہ تھا میں اپنی طالب علمی کے زمانے میں اردو مجلس کے جلسوں میں نہایت پابندی سے شرکت کرتا تھا۔ منظور احمد منظور معتمد اردو مجلس تھے۔ ان کی خواہش پر اردو مجلس کے جلسوں میں تعاون کرتا تھا۔ جاٹکی پرشاد صاحب مجھ سے خواہش کرتے تھے کہ میں اردو مجلس کی سرگرمیوں میں دلچسپی لیتا رہوں۔ منظور احمد منظور حبیب اردو مجلس کے معتمد نہیں رہے نونواب حسین علی خان کو معتمد اردو مجلس نامزد کیا گیا ان کے بعد کچھ مہینوں کے لئے میر حسن صاحب اردو مجلس کے معتمد رہے پھر ان کے بعد میں اور فاطمہ عالم علی خان تقریباً چھ ماہ معتمدین رہے۔ فاطمہ عالم علی خان کے بیرون ملک کے دورہ کی وجہ سے اردو مجلس کی معتمد باقی نہیں رہیں۔ ان کے بعد سے میں ننھا معتمد رہا۔ مولوی حبیب الرحمن اردو مجلس کے جلسوں میں وقت پر تشریف لاتے تھے لیکن کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ جلسہ شروع ہونے سے قبل جلسہ گاہ میں ۱۲ بیس بلانے کے لئے ان کے گھر جانا۔ جلسے میں وہ اپنی بیگم صاحبہ کو اپنے ساتھ لاتے تھے ڈاکٹر ذریت ساجد بھی اردو مجلس اور انجمن کے جلسوں میں پابندی سے شرکت کرتی تھیں اردو ہال میں داخل ہونے سے پہلے مولوی حبیب الرحمن اور ان کی بیگم صاحبہ سے ملنے کے لئے ان کے گھر جاتیں اور ان کے ساتھ اردو ہال آتی تھیں۔ مولوی حبیب الرحمن

کا نام بھی ڈاکٹر مسید محمد الدین قادری زور کی طرح روشن ہو گیا۔
 ڈاکٹر زور کے تذکرہ کے ساتھ مولوی حبیب الرحمن کا نام بھی باقی رہے گا۔
 جس طرح ڈاکٹر زور نے ادارہ ادبیات اردو کے قیام اور اس کی ترقی میں
 اپنے آپ کو وقف کیا تھا اسی طرح مولوی حبیب الرحمن نے بھی انجمن ترقی
 اردو کی سرگرمیوں کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا عابد علی خان صاحب
 سیارن اخبار کی مصروفیات کی وجہ سے انجمن کی سرگرمیوں کے لئے زیادہ وقت
 نہیں دے سکتے تھے جب وہ انجمن سے بے تعلق ہوئے تو اس وقت وہ نائب صدر
 انجمن تھے ڈاکٹر حبیبی شاہد کئی برسوں تک انجمن کے معتمد اور سربراہ تھے لاہور کی شریک
 کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ لاہور کی صاحب انجمن کے تنظیمی امور کے ذمہ دار
 تھے اضلاع کے دوروں سے دلچسپی رکھتے تھے آفس کا کام بھی پوری ذمہ داری
 کے ساتھ انجام دیتے تھے۔

مولوی حبیب الرحمن اپنی زندگی کے آخری دنوں میں پاکستان چلے گئے
 اور وہیں ان کا انتقال ہوا مولوی حبیب الرحمن نے پاکستان میں ایک اہم
 کتاب چند یادداشتیں کے نام سے لکھی جو مشہور ہوئی۔ مولوی حبیب الرحمن
 کی اردو خدمات ناقابل فراموش ہیں وہ لوگ جو اردو زبان کے لئے
 دیوانہ وار سرگرم رہے ان میں سر فہرست مولوی حبیب الرحمن کا نام بھی
 مولوی حبیب الرحمن کو میں نے ہمیشہ جلیو میں شہزادی لولہ لعل کوٹھی پہنے ہوئے
 دیکھا ہے اردو مجلس کا جلسہ ان کی اجازت کے بعد ہی شروع کیا جاتا تھا۔ میں
 اعلیٰ روایات کی پاسداری کا پابند رہا کرتا تھا مولوی حبیب الرحمن صاحب

میری ادبی سرگرمیوں سے بے حد خوش تھے نوب ہی تو میں ۱۸ برسوں تک اردو مجلس کا معتمد رہا۔ مولوی حبیب الرحمن جب پاکستان چلے گئے تو ڈاکٹر حسین شاہ اردو مجلس کے صدر بنے۔ اُس زمانے میں حبیب میں اردو کالج کا طالب علم تھا تو کبھی کبھی حبیب الرحمن صاحب پرنسپل اور پرنسپل اردو کالج پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد سے ملاقات کے لئے تشریف لاتے تھے۔ مولوی حبیب الرحمن نہایت فصیح داران تھے اردو زبان اور تہذیب سے انھیں واپار و اشتغالی تھی تا دمِ زبانت اردو کا کلام کرتے رہے۔ اردو کالج کے زیرِ اہتمام ہونے والی ادبی و تہذیبی تقاریب میں لازماً شریک رہتے تھے پندت جواہر لال نہرو نے اردو سال کا افتتاح کیا تھا اس وقت انھن کے صدر ڈاکٹر عبد المنان ہیں اور معتمد عبد الرحیم خان صاحب پرنسپل اردو آرٹس کالج ہیں۔ مولوی حبیب الرحمن صاحب ادبی ٹرسٹ کے بانیوں میں سے ایک ہیں۔ ادبی ٹرسٹ کے ٹرسٹی تھے ممتاز کالج کے علاوہ شہر کی بعض علمی، تعلیمی و ادبی انجمنوں اور اداروں سے بھی وابستہ تھے۔ مولوی صاحب اردو مجلس کے جلسوں میں شروع سے آخر تک تشریف فرما رہتے تھے مولوی حبیب الرحمن صاحب جسی عظیم شخصیت کے زیرِ سایہ کام کرنا اعزاز کی بات تھی۔ مولوی حبیب الرحمن کی طرح استاد محترم ڈاکٹر حسینی شاہد نے بھی ہمیشہ میرے کام کو سراہا۔ مولوی حبیب الرحمن جسی شخصیتیں برسوں میں پیدا ہوتی ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ مولوی حبیب الرحمن اردو زبان اور تہذیب کی بقاء کے لئے وقف ہو چکے تھے۔ خدا مولوی حبیب الرحمن کی لحد کو خوشبوؤں سے معمور کرے۔ ہم بھی دعا کر سکتے ہیں۔

پروفیسر عبدالقادر سروری

نامور استاد جامعہ عثمانیہ - ممتاز محقق

حیدرآباد کے علمی و ادبی حلقوں میں جہاں کہیں بھی ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور کا تذکرہ ہو گا وہاں کسی نہ کسی طرح پروفیسر عبدالقادر سروری کا بھی نام لیا جائے گا۔ دونوں نام برسوں ایک سانچہ چلتے رہے۔ آج بھی علمی و ادبی محفلوں میں یہ روایت باقی ہے پروفیسر عبدالقادر سروری بھی ڈاکٹر زور کی طرح زبان و ادب کی خدمت کے لئے سرگرم عمل رہے۔ لیکن ڈاکٹر زور کے مقابلے میں سروری صاحب کی علمی و ادبی مصروفیات ان کی اپنی افتادِ طبع کے سبب کم کم رہیں۔ پروفیسر سروری ۲۱ سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں کچھ یہ ہیں۔ زبان اور علم زبان۔ اردو کی ادبی تاریخ اردو مشنوی کا ارتقاء، جدید اردو شاعری، زار۔ کا بھولا اور دیگر افسانے وغیرہ۔ اس کے علاوہ عرصہ دراز تک مجلہ جامعہ عثمانیہ کے مدیر اعلیٰ بھی رہے۔ ڈاکٹر زور نے اپنی سرگرمیوں کو کافی وقت دی تھی۔ ادارہ ادبیات

اُردو کا قیام اور اس کے کام کو آگے بڑھانے میں سروری صاحب بھی اُن
دور کے دوسرے مشاہیر زبان و ادب کی طرح ڈاکٹر زور سے کافی تعاون
کیا کرتے تھے کچھ اہل قلم حضرات کا یہ خیال ہے کہ بعض علمی و ادبی معاملات میں
ڈاکٹر زور اور سروری صاحب میں نظریاتی اختلاف تھا۔ سروری صاحب بھی
اپنے ہم عصر اُردو کے خدمت گزاروں کی طرح زبان و ادب کے لئے دلچسپی لیا کرتے
تھے تعریف و تالیف کا کام جاری رہتا۔ سروری صاحب نے جہاں ایک اچھے
استاد کی حیثیت سے فہنام کیا وہیں انہوں نے ایک ادیب، محقق اور
نقاد کی حیثیت سے بھی شہرت حاصل کی۔ پروفیسر سروری حرکیاتی شخصیت کے
مالک تھے وہ صدر شعبہ اُردو جامعہ عثمانیہ کی حیثیت سے بھی شہرت رکھتے تھے
جامعہ عثمانیہ سے وابستہ ہونے سے قبل وہ میسور یونیورسٹی میں شعبہ اُردو و فارسی اور
عربی کے صدر تھے۔ اُس زمانے کے بہت سے طالب علم تعلیمی میدان میں
کافی اہمیت کے حامل پڑے۔

پروفیسر سروری کو شعر و ادب سے کافی لگاؤ تھا انہوں نے اپنے طور پر انجمن
محققین عثمانیہ قائم کی تھی۔ اس انجمن کے تحت ان کی رہائش گاہ واقع حمایت نگر
میں ہر ماہ ادبی اجلاس اور مشاعرے ہوتے تھے منتخب اساتذہ کرام، علامہ
شعراء و ادباء مدعو رہتے تھے بعض یوں ہمارے طلباء بھی شریکِ محفل رہتے تھے بہت
ہی عمدہ عصرانہ ترتیب دیا جاتا تھا۔ حسن اتفاق سے مجھے بھی یہ اعزاز
حاصل رہا کہ میں اُن کی محفلوں میں شاعر کی حیثیت سے شرکت کرتا تھا اُس
زمانے میں ابو الفیض سحر نے فضا کے نام سے ایک ادبی رسالہ شائع کیا تھا

پرو فیروز صاحب کے کئی شاگرد بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے ہیں۔
 سروری صاحب کا ایک اہم کارنامہ بین الکلیاتی اردو فیڈول کا انعقاد
 ہے شاید ہی ملک کی کسی یونیورسٹی میں اس طرح کا اردو فیڈول ہوا ہوگا
 سروری صاحب کی رابرٹ ٹگرانی میں ۱۹۵۹ء میں عظیم الشان پیمانی پر
 سہ روزہ بین الکلیاتی اردو فیڈول کا اہتمام کیا گیا تھا یہ تقاریب نظام
 کالج گراؤنڈ پر منعقد ہوئی تھیں۔ اردو آرٹس کالج جامعہ عثمانیہ کے طالب علم
 مسعود معین اردو فیڈول کے صدر منتخب ہوئے تھے اور الطاف حسین معتمد
 ان تقاریب میںے سنجہ اردو جامعہ عثمانیہ کے طلباء کے ساتھ جامعہ عثمانیہ سے ملحقہ
 تمام کالجس کے طلباء و طالبات و ابترہ بیتے تھے۔ طریقہ کار کے مطابق ہر کالج
 کے صدر و بین الکلیاتی اردو فیڈول کے مختلف شعبوں سے وابستہ ہوجاتے تھے
 اردو فیڈول کے تحت کل ہند مشاعرہ کا انعقاد عمل میں لایا جاتا۔ جس میں
 ملک کے نامور شاعروں کو مدعو کیا جاتا تھا۔ ۱۹۵۹ء میں منعقدہ اردو فیڈول
 کے مشاعرہ میں مجروح سلطان پوری، ساحر لدھیانوی، جاں نثار اختر اور
 دوسرے شاعر مدعو تھے جن اُس اردو فیڈول مشاعرہ کا کنوینر مقرر ہوا تھا
 حقیقت تو یہ ہے کہ اردو فیڈول کا سب سے زیادہ مناشتر کرنے والا شعبہ
 مشاعرہ ہی تھا ویسے محفل موسیقی کا اہتمام بھی کیا جاتا تھا۔ تمام صدور
 بزم کا ایک اجلاس تمام شعبوں کے معتمدین کے انتخاب کے سلسلے میں زیر نگینی
 سرپرست اردو فیڈول سروری صاحب ہوا تھا۔ جناب منظور احمد منظور
 لکچرار اردو کالج مشاعرہ کے معیتر تھے۔ اسی طرح محفل موسیقی کے معیبر

بعد میں انتقال کر گئے اور وہ بھی کشمیر کی مٹی میں مل گئے۔ یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ اردو کی دو بڑی قدآور شخصیتوں کی آخری آرام گاہ کشمیر میں ہے سروری صاحب کے زمانے میں حیدر آباد میں بہت سے اہم اور قابل قدر منازلت مثلاً سیر اردو زبان مجلیہ ڈاکٹر زور، پروفیسر مارون خان شروانی، مولوی بی بی الرحمن، پروفیسر سعید محمد رائے، حاجی پرشاد، ڈاکٹر مجید صدیقی، پروفیسر اکبر الدین صدیقی، پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد وغیرہ۔ ان کے بعد کا دور بھی قابل ذکر ہے دنیا یوں ہی چلتی رہتی ہے لیکن یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ ہر دور میں کچھ ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو منفرد مقام کے حامل رہتے ہیں یہ اور بات ہے کہ اس دور کا ہر قلمکار اپنی عظمتوں کے ساتھ سرفراز رہا ہے جس کی بات اس کے ساتھ رہتی ہے ایسا ہی ہوتا چلا آ رہا ہے پروفیسر سروری اکثر دفعہ شیروانی زیب تن کرتے تھے انداز گفتگو مقابل کو متوجہ کرتا تھا بہت ہی عالمانہ انداز کالیب و لہجہ تھا ان کے ادبی مضامین اور ان کی تقریریں پُر مغز ہوتی تھیں۔ ہمیشہ علمی و ادبی کاموں میں مصروف رہتے تھے سروری صاحب کا شمار جامعہ عثمانیہ کے قابل ترین اساتذہ میں آتا تھا سروری صاحب نے اپنے کئی طالب علموں میں بیچ شری وادلی ذوق پیدا کیا۔ سروری صاحب اپنی دلی انجمن میں جامعہ عثمانیہ سے وابستہ نوجوان اہل فن اور شہر کے نوجوان لکھتے والوں کی حوصلہ افزائی کے لئے مدعو کونے تھے سرور صاحب کی عنایت سے میں نے بھی کئی مشاعروں میں کلام سنایا

پروفیسر مغنی تبسم تھے شعبہ ڈرامہ کے مشیر حمید شطاری صاحب تھے اس فیلڈول کے
 بہترین انعقاد اور سرگرمیوں کی پیش رفت کے لئے سروری صاحب کی رہنمائی گاہ
 ایک حصہ کو فیلڈول کا آفس بنایا گیا تھا سروری صاحب کے مکان پر
 وقتاً فوقتاً اجلاس ہوا کرتے تھے بغیر کسی رکاوٹ کے ادبی و تہذیبی تمام
 سرگرمیاں جاری رہیں۔ خواتین اور طالبات کی ایک بڑی تعداد شریک
 تھا یہی رچتی تھی۔ میں سروری صاحب کا شاگرد تو نہیں تھا لیکن ہمیشہ ایک
 استاد کی طرح ان کی تعظیم کرتا تھا سروری صاحب انجمن ترقی اردو کے ادبی
 جلسوں میں بھی تشریف لایا کرتے تھے انہوں نے ادارہ ادبیات اردو
 اور انجمن ترقی اردو کے کئی جلسوں کو مخاطب کیا ہے سروری صاحب جامعہ
 عثمانیہ کے صدر شعبہ کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے تو وہ علمی و ادبی کاموں
 میں زیادہ مصروف رہنے لگے۔ ڈاکٹر سید محمد الدین قادری زور کو زور دے اعلیٰ
 کثرت بخشی غلام محمد کی شخصی دلچسپی کی وجہ سے صدر شعبہ اردو کشمیر یونیورسٹی
 مقرر کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر زور کشمیر تشریف لے گئے مگر وکن کی خاک مرز میں کشمیر
 کا حصہ بن گئی۔ بد قسمتی سے موسم کی خرابی کی وجہ سے ان کی نعلین حیدر آباد نہیں
 لائی جا سکی اور وہ وہیں درگاہ حضرت بل کے احاطہ میں دفن کیے گئے زور
 صاحب کے بعد سروری صاحب کا انتخاب کشمیر یونیورسٹی کے صدر شعبہ اردو
 کی حیثیت سے ہوا۔ سروری صاحب کشمیر جانے کے لئے تیار نہیں تھے اپنے
 رفقاء کے کار سے مشورہ کرتے رہے کہ کشمیر جاؤں کہ نہ جاؤں آخر کار
 انہوں نے کشمیر کے لئے رخت سفر باندھ لیا۔ لیکن سروری صاحب بھی کچھ عرصہ

ہے اور ان کی بزمِ بعض دفعہ نظمِ مشاعرہ بھی ریا۔ اُن کی محفل میں اس دور کے تمام اہم شاعر شرکت کرتے تھے نظامِ کالج کے استاد یا دیِ القادری کو بھی میں نے پہلی دفعہ وہیں سنا تھا۔ اُس زمانے میں جامعہ عثمانیہ کے اساتذہ میں ڈاکٹر غلام دستگیر رشید، بیشتر مشاعروں میں کلامِ سنلتے تھے ان کی ایک اپنی پسندیدہ غزل تھی جس کی ردیف تھی ایسے تو برائے سے ظہار اور سامعین اصرار کر کے سنتے تھے وہ دور شعر و ادب کی محفلوں کے لئے خوشگوار تھا اب نہ ویسی شعر و ادب کی محفلیں سمجھی ہیں اور نہ ہی اس طرح کی سرگرمیاں جاری ہیں نہ تو ویسے سخن شناس باقی رہے اور نہ ہی ویسے شعراء۔ پھر بھی آج اردو کے کچھ شیدائی ایسے موجود ہیں جو اردو زبان و ادب کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں سروری صاحب کے ساتھ اردو آرٹس کالج میں کام کرنے والے قابلِ ذکر اساتذہ کے کچھ نام یہ ہیں پروفیسر سید محمد ڈاکٹر حفیظ قیصل، پروفیسر غلام عمر خان پروفیسر رفیعہ سلطانہ، ڈاکٹر حمید شطاری اور اختر شاہ خان وغیرہ۔ سروری صاحب آج ہم میں نہیں ہیں لیکن ان کا نام آج بھی اردو ادب میں، اردو کی محفلوں میں زندہ ہے سروری صاحب جی بہت سی باکال شخصتیں ہمارے شہر میں رہی ہیں جن پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے ان مشاہیر و کمن کی خدمات کو اجاگر کرنے کے لئے اہل قلم حضرات کو آگے آنا چاہیئے۔ خدا کرے کہ ہمارے شہر کے ادیب و تذکرہ نگار عصر حاضر کے قلم کاروں کی خدمات پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے اپنا سلاف کی یادوں

کو اپنی تحریروں کا وسیلہ بنائیں۔

یہاں اس بات کا تذکرہ بے محل نہ ہو گا کہ ادارہ میسر شہر میرے لوگ کی جانب سے اور اقبالپور کے زیر عنوان کئی جلسے منعقد ہوئے ہیں جن میں حمید آباد کی نامور شخصیتوں کے کارناموں کو بھرپور خراج پیش کیا گیا ہے و فیہ سرور و ی صاحب کی یاد کو تازہ کرنے کی غرض سے اس ادارہ نے کچھ عرصہ قبل اردو ہال میں جلسہ کا اہتمام کیا تھا۔

پروفیسر یوسف عبدالواحد

بہاں صاحب فکر و فن۔ قابل ترین استاد

ہر ایک طالب علم کے لیے لیاہ زندگی میں کچھ ایسے ناقابل فراموش اساتذہ بھی رہے ہیں جن کو طالب علم زندگی بھر نہیں بھلا سکتے اور جن کو زندگی کے ہر ارتقائی موڑ پر ان اساتذہ کے احسانات یاد آتے ہیں۔ خاص طور پر بہترین اساتذہ اُس وقت زیادہ یاد آنے میں ہیں جب ایک طالب علم اعلیٰ ڈگریاں حاصل کر کے اپنے روشن مستقبل کی تلاش میں نکل جاتا ہے جیسے جیسے وہ ترقی کرتا جاتا ہے ویسے ویسے اساتذہ کی کرم فرمائیاں اُس کے دل و دماغ کو ہلاتی رہتی ہیں کچھ اساتذہ اس قدر شفیق ہوتے ہیں کہ ان سے طالب علم کو الہام و ذہانت کی ہو جاتی ہے طریقہ تعلیم و تربیت سے ہٹ کر بھی ان کی شخصیت طلباء کو متاثر کرتی ہے۔ ابتدائی تعلیم کے زمانے میں مجھے میرے تایا حیدر علی مرحوم کا تربیت حاصل تھی جب میں وسطانیہ جماعت کا طالب علم تھا تو میرے اساتذہ میں بہت ہی

عزیز ترین استاد نبی الحسن صاحب تھے جو میرے وطن ہمنما آباد میں
 مڈل اسکول کے صدر مدرس تھے نبی الحسن صاحب اسکول سے
 متصل مکان میں رہتے تھے وہ دیوبند کے فاضل تھے **صیغہ انگ** ان
 کا وطن تھا اردو، فارسی، عربی کے جدید عالم تھے۔ کلاس میں میری اردو
 تعلیمی حالت سب سے بہتر تھی۔ ساتویں جماعت کامیاب کرنے کے
 بعد ہمنما آباد میں رہ کر میں نے منشی نظامیہ کا امتحان دیا اور امتیازی
 حیثیت سے کامیابی حاصل کی۔ اُس وقت ہمنما آباد میں صرف ایک مڈل
 اسکول تھا اس کے بعد کی تعلیم کے لئے طلباء حیدر آباد کالج کرتے
 تھے نبی الحسن صاحب نے مجھے منشی کی بہترین تعلیم دی میں منشی کامیاب
 ہوا۔ مزید تعلیم کے لئے **حیدر آباد کالج** علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے میرے کامیاب کیا
 منشی فاضل کے امتحان کے لئے ادارہ شرقیہ میں تعلیم پائی۔ مولانا کلیمی کاشاگر
 خاص رہنے کا اعزاز حاصل ہوا (جج) کا ادارہ اردو کالج پتھر گڑی میں واقع تھا
 جب میں نے اوور پینٹل اردو کالج میں (ای۔ او۔ ال) میں داخلہ لیا تو اُس وقت
 پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد کالج کے پرنسپل تھے جہاں وہ انگریزی،
 اردو اور فارسی پڑھاتے تھے۔ ڈاکٹر حبیبی شاہد، ڈاکٹر زینت ساجدہ
 ڈاکٹر مغنی تبسم، منظور احمد اور سعادت نذیر میرے اساتذہ تھے جو
 اعزازی خدمات انجام دے رہے تھے بی او ال کلاس میں ۲۵، ۳۰ طلباء،
 تھے پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد کالج میں منظور نظر شاگرد رہا۔ جب میں
 کالج میں داخلہ لیا تو اُس وقت تین چار کمروں پر مشتمل یہ کالج اردو کالج

کے احاطہ میں تھا اُس وقت انٹرنس۔ ڈپ او۔ ایل کی کلاس بھی ہوتی
 تھیں چونکہ میں اُردو فاضل، منشی فاضل و ادیب کامل کامیاب کرچکا
 تھا اس لئے مجھے بالراست بی او ایل (مماثل بی۔ اے) میں داخل
 کیا۔ ظفر صاحب وقت پر کانچ تشریف لاتے تھے۔ ان کے پڑھانے کا
 انداز اس قدر دلکش تھا کہ کوئی طالب علم بھی ان کی کلاس میں غیر حاضر
 نہیں رہتا تھا۔ نہایت عمدگی سے بہت ہی اچھے موڈ میں درس دیا کرتے
 تھے پھر کے دوران اُردو کے بہترین شعرا سناتے تھے۔ طلباء کو علم عروض
 بھی سکھاتے تھے ظفر صاحب نے کبھی بیچہ کر کلاس نہیں لی۔ ہمیشہ ٹیبلت
 ہوئے کلاس لیتے تھے پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ کب ان کا پیریڈ ختم ہوتا
 ہے۔ تمام طلباء و پیر مشفقانہ نظر رکھتے تھے۔ مجھے شعر و سخن کا ذوق
 خواہ میری ابتدائی شاعری کا زمانہ تھا ظفر صاحب میری غزلیں
 سن کر حوصلہ افزائی کرتے تھے ظفر صاحب سے مجھ اس قدر لگاؤ تھا
 کہ میں ہفتہ میں کم از کم دو تین بار اُن کے دولت خانہ واقع آسٹری پورہ پہنچتا
 تھا جیسے ہی میں کال میں دیتا وہ تشریف لاتے اور بڑی شفقت سے
 بیٹھنے کے لئے کہتے۔ مجھ سے میرا کلام سننے۔ اُن کی خواہش رہتی کہ میں ترنم
 میں ان کو کلام سناؤں۔ اُس زمانے میں علم عروض پر ان کی ایک مایہ ناز
 کتاب تکمیل پاری تھی کچھ مجھ سے سناتے تھے۔ آہنگ شعر کے نام سے ایک
 ضخیم کتاب اُردو اکیڈمی آنڈھرا پردیش سے ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی
 ہے۔ اس کتاب میں مثنوی طوہر میری نظموں کے کچھ مصرعے شامل کئے

تیرے ہیں۔ آہنگ شعر ظفر صاحب کی ادبی زندگی کا حاصل ہے اسی زمانے میں میرا پہلا مجموعہ کلام گل تازہ شائع ہوا تھا میں نے کتاب میں کسی بھی دانشور کی نہ نوائے شامل کی اور نہ ہی دیباچہ لکھوایا۔ حالانکہ روایت تھی کہ کتابوں میں کسی بڑے ادیب، نقاد یا شاعر کا پیش لفظ شامل ہے کتاب میں صرف غزلیں ہی شامل ہیں۔ گل تازہ کی ترتیب و ترتیبین کے موقع پر مجھے میری بہن صالحہ الطاف کا مشورہ حاصل رہا۔ اس مجموعہ کلام میں کچھ مرقعے شامل ہیں جو میری مہر لولی بہن عذرا سعید کی فنکاری کا اعلیٰ نمونہ ہیں عذرا سعید اس وقت میٹرک کی طالبہ تھی جس نے بعد میں جامعہ عثمانیہ سے سوشیالوجی میں ایم اے کیا۔ میرے تقریباً تمام شعری مجموعوں کے سرورق کا ڈیزائن عذرا سعید کی اعلیٰ فن کاری کا شہکار رہے ہیں گل تازہ بے حد مقبول ہوئی۔ گل تازہ کی رسم اجراء تقریب اردو مجلس کے زیر اہتمام اردو ہال میں ہوئی تھی پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد نے رسم اجراء انجام دی تھی۔ مجموعہ کلام ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا تھا اس وقت شہر کے تقریباً تمام مشاہیر اردو پروفیسر بارون خان شیروانی، مولوی حبیب الرحمن عابد علی خان، محبوب حسین جگر، مخدوم محی الدین ڈاکٹر زینت ساجدہ، ڈاکٹر حبیبی شاہد، رائے جانکی پرشاد، ڈاکٹر معنی تبسم وغیرہ نے شرکت کی تھی پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد نے رسم اجراء انجام دینے کے بعد مضمون پڑھا تھا جو بعد میں صالحہ الطاف کی ادارت میں شائع ہونے والے ادبی رسالہ خانوں دکن میں شائع ہوا۔ ظفر صاحب نے رسم اجراء انجام دینے ہوئے

اپنے شگفتہ و شستہ خطاب میں کہا تھا کہ مخدوم کی گُل تر کی مقبولیت
 اپنی جگہ مسلم ہے لیکن گُل تازہ کی بات کچھ اور ہے ظفر صاحب کو
 کتاب کا نام گُل تازہ بہت پسند تھا میں ۶۰-۱۹۵۹ء میں ظفر صاحب
 کا شاگرد رہا ہوں۔ رقم اجراء تقریب کے دن ڈاکٹر سیدہ جعفر
 صاحبہ کا نہایت ہی عمدہ مضمون سیاست میں شائع ہوا تھا
 زمیری تصویر کے ساتھ) سری نواس لاہوری صاحب بھی رقم اجراء
 تقریب میں موجود تھے جیسے ہی ڈاکٹر سیدہ جعفر ہال میں داخل ہوئیں
 انہوں نے مضمون کی تعریف کرنے ہوئے کہا کہ اتنے اچھے مضمون کی
 داؤ کس کو دوں۔ آپ کو یا شاعر کو۔ میں اس وقت وہیں ٹھہرا ہوا تھا
 سیدہ جعفر نے کہا شاعر کو داد دیجئے۔ اچھی شاعری ہو تو اچھا مضمون
 لکھا جاتا ہے ظفر صاحب کے شاگردوں میں میں نے محسوس کیا تھا کہ ڈاکٹر
 حسینی شاہد اُن کے بہت عزیز شاگرد ہیں مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آہنگ شعر
 کی اشاعت میں ڈاکٹر حسینی شاہد کی بھی دلچسپی نشاں رہی ہے ظفر صاحب کو
 میں ہمیشہ زندہ دل، خوش مزاج اور شگفتہ طبعین پایا۔ بہت ہی اچھے
 موڈ میں پڑھانے تھے جی چاہتا تھا کہ ان کی کلاس جاری رہے۔ وقت کے
 ختم ہونے کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا۔ ظفر صاحب اپنے دوست سابق
 پروفیسر و دانشور علامہ محمد یونس کرٹی جناب فضل الرحمن صاحب کے گلے
 میں ہاتھ ڈال کر اردو کلن کے میدان کا چکر لگاتے ہوئے گفتگو جاری
 رکھتے۔ اکثر وہ ظفر صاحب سے ملاقات کے لئے آتے تھے وہ ایک دوسرے

کے بے حد بے تکلف دوست تھے مولوی حبیب الرحمن صاحب فضل الرحمن
 صاحب کے بہنوئی تھے مولوی حبیب الرحمن نے اردو ہلال اور پینٹل آرڈر
 کا بچہ اڈا دواؤں آؤں کلاؤں کے لئے اپنی ذاتی زمین عطیہ کے طور پر انتظامیہ
 حوالے کی تھی وہ اردو ہلال کے احاطہ میں ایک الگ مقام پر رہتے تھے اردو
 مجلس کے صدر بھی رہے اردو مجلس کے پروگرامس کو قطعیت بھی دینے
 تھے مولوی حبیب الرحمن سے میں ملا کرتا تھا مولوی صاحب کے بعد ڈاکٹر
 عینی شاہد اردو مجلس کے صدر مقرر ہوئے۔ ظفر صاحب ٹی کلچ میں بھی پڑھتے
 تھے میں ظفر صاحب کے دولت خانہ پر حاضری دینے کے لئے عموماً اتوار
 کے دن جاتا تھا ایک گھنٹہ سے زائد ظفر صاحب کے ساتھ رہتا۔ شعرو شاعری
 کے بارے میں گفتگو رہتی۔ ظفر صاحب مجھ سے بہت ہی اہم باتیں کہی
 تھیں جو میرے دل و دماغ پہ نقش بن کر رہ گئی ہیں۔ ظفر صاحب
 نے فرمایا تھا بر خوردار۔ تین باتوں کو ضرور یاد رکھو کہ یہ تین باتیں
 زندگی میں بہت کام آئیں گی۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہر انسان کی زندگی
 میں دس سال بہت ہوتے ہیں۔ ان دس برسوں میں تم جو کچھ حاصل کرو گے
 زندگی بھر تمہارے کام آئے گا۔ دوسری یہ کہ تم ہمیشہ اپنے حریف کے مقابل
 رہو وہ کمزور رہ جائے گا تیسری بات یہ کہ جب تک احساس زندہ ہے
 آدمی بوڑھا نہیں ہوتا۔ ہمیشہ اپنے احساس کو تروتازہ اور جوان رکھو
 ظفر صاحب بے حد دلچسپ گفتگو کرتے تھے مگر ان کی ہر بات ان کے
 تجربہ کا بخوبی ہوتی تھی۔ ظفر صاحب خود اچھے شاعر تھے لیکن شعر نہیں سناتے

تھے طلباء کو اپنی پسند کے دوسرے شاعروں کے شعر سناتے تھے میں نے ایک دن ظفر صاحب کی خواہش پر کالج میں اپنی غزل سنائی۔ حافظ نذیر الدین بھی میرے ہم جماعت تھے اس مختصر محفل شعر میں کالج کے استاد منظور احمد منظور بھی تھے۔ محفل شعر ختم ہونے ہی والی تھی کہ حافظ نذیر الدین کھڑے ہو کر کہنے لگے میں بھی کچھ شعر سنانا چاہتا ہوں رباعی عرض ہے۔ رباعی کے ساتھ ظفر صاحب کے کان کھڑے ہو گئے۔ حافظ صاحب نذیر الدین سے کہا بر خور دار! ادھر آؤ اور قریب! اب سناؤ۔ حافظ صاحب نے رباعی کے نام پر چار ساقط البحر مصرعے سنائے۔ جب پہلا مصرع سنایا تو ظفر صاحب خاموش رہے۔ دوسرے مصرع پر پہلو بد لے۔ تیسرے مصرع پر حافظ صاحب کا کان پکڑ کر کہا یہ رباعی ہے اس پر محفل شعر ختم ہوئی۔

ظفر صاحب آج ہم میں نہیں رہے لیکن منظور احمد صاحب سے کبھی اس موضوع پر گفتگو ہوتی ہے تو وہ خوب لطف اٹھاتے ہیں۔ میں ظفر صاحب کا دو سال تک طالب علم رہا۔ بی۔ او۔ ایل کی تکمیل کے بعد ایم۔ او۔ ایل میں داخلہ لیا تو اس وقت اردو کالج کے پرنسپل پروفیسر سید محمد تھے۔ پروفیسر سید محمد کے بعد ڈاکٹر حبیبی شاہد پرنسپل تھے۔ ظفر صاحب کالج کو رکتا میں آنے تھے کبھی کبھی منظور احمد صاحب ان کے ساتھ ہو جاتے۔ منظور صاحب کا مکان نور خان بازار میں اور ظفر صاحب کا آعظم پورہ میں تھا دونوں محلے قریب قریب میں ظفر صاحب اپنی زندگی کے آخری دنوں میں

اپنے بیٹے کے ہاں پاکستان چلے گئے اور وہیں سپردِ خاک ہوئے۔ جب میں
 یہ مضمون ختم کر رہا ہوں تو ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ظفر صاحب میری آنکھوں
 کے سامنے ہیں۔ ان کی ایک بات مجھے یاد آ رہی ہے۔ ایسے مشفق
 استاد بہت کم شاگردوں کے نصیب میں ہوتے ہیں زائد از ہم برس
 ہو رہے ہیں میں ظفر صاحب کو نہیں بھول پایا۔ ان کی یاد، ان کی
 شفقت، ان کی شخصیت اور ان کے مشورے میرے لئے سرمایہ حیات ہیں
 ایک روشن چراغ بھی طرح۔ میں اُس استاد کو کیسے بھول سکتا ہوں
 جس نے شعر و ادب کے ماحول میں سر اٹھا کر چلنے کا سبق سکھایا۔ میں استاد
 کو کس طرح بھول سکتا ہوں جس نے خود داری، کج کلاہی، انسان دوستی اور
 اصول بندی کا درس دیا تھا۔

پروفیسر سید محمد

اُردو کے خاموش خدمت گزار۔ منفرد ادیب

بعض شخصیتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے خدو خال اور جن کے اندازِ گفتگو سے ہی اُن کی علمی و ادبی عظمتوں کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ان میں علمی و ادبی اعلیٰ صلاحیتیں بہ درجہ انم موجود ہیں لیکن اس کے باوجود ایسی سایہ دار شخصیتیں اپنے آپ کو زندگی بھر ایک طالب علم ہی سمجھتی رہتی ہیں۔ سادگی و سرباری کی منظر، بے نیازانہ طرزِ حیات، شائستگی خیال و شگفتگی فکر و فن کی غازی کر نہ والے قابلِ قدر دانشوروں میں سید محمد صاحب بھی اپنی منفرد پہچان، اہمیت اور حیثیت کے حامل تھے۔ پروفیسر سید محمد جامہ عثمانیہ کے قابلِ تکریم اساتذہ میں سے ایک رہے ہیں۔ بیسویں طلباء آپ کے علمی فیضان سے سیراب ہو چکے ہیں، مجھے یہ فخر حاصل رہا ہے کہ میں بھی پروفیسر سید محمد صاحب کا شاگرد رہا ہوں۔ میں جب اورینٹل کالج میں ایم او ایل کا طالب علم تھا تو اُس وقت پروفیسر صاحب اُردو کالج

کے پرنسپل تھے۔ پروفیسر صاحب جن خاص خاص طلباء کو اپنے دولت خانہ پر بھی
تعلیم دیا کرتے تھے ان طلباء میں سے ایک میں بھی تھا۔ خاص طور پر دکنی
ادب کی تعلیم کے سلسلے میں میں پروفیسر صاحب کے دولت خانہ پر حاضری دیا
کرتا تھا جیسے ہیں میں پروفیسر صاحب کے گھر پہنچتا۔ اطلاع ملتے ہی
تشریف لاتے۔ اکثر اوقات ان کے دیوان خانے میں بعض علمی و ادبی
حضرات تشریف فرما رہتے تھے۔ پروفیسر سید محمد صاحب نے بھی ڈاکٹر
زور کی قیادت میں ادارہ ادبیات اردو کے قیام اور اس کو ترقی دینے
کے لئے بہت کام کیا ہے۔ پروفیسر سید محمد کئی کتابوں کے مصنف / مولف
ہیں۔ ان کے بڑے بیٹے معراج محمد سیاست اخبار میں سب ایڈیٹر کی حیثیت
سے برسوں کام کرتے رہے۔ پروفیسر صاحب چھپنے بازار میں واقع اپنے پریس
(اعجاز پریس) میں بھی تشریف فرما رہتے تھے میرا پہلا مجموعہ کلام
”محل تازہ“ ۱۹۶۵ء اعجاز پریس میں طبع ہوا۔ اس وقت اعجاز
پریس میں شہر کے علمی و ادبی حلقوں سے تعلق رکھنے والی تفریبات تمام اہم
مجموعیوں کی کتابیں چھپتی تھیں (آج بھی چھپتی ہیں) پروفیسر
صاحب کے فرزند نور محمد اعجاز پریس کے مالک تھے جو عمرہ صلاحیتوں کے
حامل نوجوان تھے۔ نہایت دیانت دار قابل بھروسہ فرض شناس
انسان تھے اعجاز پریس میں میرے اپنی اور مجھ سے متعلق تقریباً ۱۵۰
کتابیں (بشمول سماؤنیرس) شائع کروائی ہیں میرے قریبی شاعروں
ادیبوں کی کتابیں اعجاز پریس میں چھپتی رہی ہیں آج بھی اعجاز پریس

ان کا رابطہ باقی ہے وقت کی پابندی و ایسی اجرت، اعجاز پریس کا طرہ امتیاز ہے پریس کا بہت ہی پاک و صاف ماحول ہے نور محمد صاحب ایک با اخلاقی شریف النفس، قابل اعتماد شخص تھے وہ اپنے والد محترم کی روایت کو باقی رکھتے ہوئے نہ صرف شاعروں، ادیبوں کے لئے ہی بہترین معاون ثابت ہوئے ہیں بلکہ اکثر اصحاب جو اعجاز پریس سے تعاون حاصل کرنا چاہتے تھے ان سے بھی ہر ممکنہ تعاون کرتے تھے پروفیسر صاحب کے نین اور بیٹے اعجاز محمد (حکمت تعلیمات) سید منظور محمد (ہفت ڈیپارٹمنٹ) اور ممتاز محمد ہیں ممتاز محمد کا بھی پریس ہے۔ پروفیسر صاحب کے پوتے سید ریاض احمد رضوان بہترین آرٹسٹ اور خوش نویس ہیں جو اعجاز پریس سے وابستہ ہیں۔

کئی برس پہلے ایک ملاقات میں ممتاز شاعر و مدیر ماہنامہ یونم ناصر کرنل نے بتایا کہ پروفیسر صاحب جامعہ عثمانیہ کے نہایت لائق استاد تھے جن کا شمار جامعہ عثمانیہ کے قابل ترین اساتذہ میں ہوتا ہے ناصر کرنل مسلسل گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ جب میں جامعہ عثمانیہ میں ایم اے اردو کا طالب علم تھا پروفیسر صاحب مجھ پر بہت مہربان تھے اور کہا کہ اگر پروفیسر صاحب کا مجھے تعاون حاصل رہے تو نانو شاید ایم اے نہیں کر پاتا۔ دراصل میں حاضری کے معاملے میں زیادہ پابند نہیں تھا امتحان میں شرکت کے لئے حق اولیہ حاضری ضروری ہوتی ہے اس طرح کالوگ میری حد تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ اکثر طلباء ان کے حق سلوک سے فیض پاتے رہے۔ پروفیسر صاحب حضرت خواجہ بندہ نواز کی

عرس شریف تقاریب کے سلسلے میں منعقدہ علمی اجلاس میں تقریباً ہر سال شرکت فرماتے تھے اپنے بہترین مضامین سے حاضرین محفل کی معلومات میں اضافہ کرتے رہے۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ بعض کم آ میز سیدھے سادے لوگ بھی ان کے ساتھ رہتے تھے۔ ڈاکٹر صادق نقوی نے طور شید احمد جانی میموریل ایکڈمی کے زیر اہتمام منعقدہ اکیڈمک ادبی اجلاس کے دوران اپنی تقریر میں کہا تھا کہ ان کے والد محترم محمد حسین نقوی پروفیسر سید محمد صاحب کے قریبی دوست تھے دونوں ایک ہی محلہ سلطان پورہ میں سکونت پذیر تھے دونوں سٹی کالج میں استاد تھے یہ قول صادق نقوی پروفیسر صاحب خالص علمی ادبی آدمی تھے بزرگان دین کی عرس شریف تقاریب میں پابندی کے ساتھ شرکت کیا کرتے تھے تمام ہمسائے آپ کے حسن سلوک سے خوش اور مطمئن رہا کرتے تھے پروفیسر صاحب اردو کانٹنٹینسٹری پر نپیل ہے پروفیسر ایوٹو فخر علیہ الواحد بھی اعزازی پرنسپل تھے پروفیسر صاحب ادارہ ادبیات اردو کی ادبی تقریبات میں حصہ لیا کرتے تھے۔ یوم محمد علی قطب شاہ تقدیب کے سلسلے میں بھی زیادہ منخرک رہتے تھے۔ ڈاکٹر زور کے خاص رفقاء کار میں آپ کا شمار ہوتا تھا ڈاکٹر زور پروفیسر صاحب پر اعتماد کرتے تھے سیکرٹری علمی و ادبی دوستوں سے ادارہ کے کاموں کو آگے بڑھانے میں تعاون حاصل کیا کرتے تھے۔ ادارہ ادبیات اردو کی خدمات علمی و ادبی حلقوں میں قابل فخر سمجھی جاتی ہیں پروفیسر سید محمد صاحب جیسے دیگر اساتذہ اردو اور

اُدب پارے میں دکنی ادب اور قطب شاہوں کے دور کے علمی و ادبی خدمات کو اجاگر کرنے میں زندگی بھر مصروف رہے ادارۂ ادبیات اردو کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ دکنی ادب کی تاریخ کو منظر عام پر لایا جاسکے محلہ سلطان پورہ میں پروفیسر صاحب کے ایک رفیق، علمی و ادبی دوست ڈاکٹر حفیظ قتیل بھی سکونت پذیر تھے ان کے محلے سے قریب محلہ اعظم پورہ میں پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد بھی رہتے تھے۔ سلطان پورہ (نور خان بازار) میں بڑی بڑی شخصیتیں رہی ہیں فصاحت جنگ جلیل جیسے مستند استاد شاعر بھی سلطان پورہ میں رہتے تھے آج اس محلے میں ڈاکٹر حسن الدین احمد اور ڈاکٹر علی احمد جلیلی جیسی علمی و ادبی ہستیوں کی فروکش ہیں خورشید احمد جانی اور امیر احمد خسر جیسے نانی گرامی شاعر بھی اسی محلے میں رہتے تھے۔ پروفیسر سید محمد ایک قلندر صفت انسان تھے تھے بزرگ علمی میں آپ اپنی مثال آپ تھے رات دن علمی و ادبی کاموں میں مصروف رہا کرتے تھے اپنے دور کے لائق و فائق شخصیتوں کے ساتھ ان کی نشست و برخاست ملتی تھی پروفیسر صاحب نہایت پر وقار، محترم استاد و ادیب تھے اس دور کی عظیم دانشوروں میں ڈاکٹر زور، مولوی حبیب الرحمن، پروفیسر مارون خان شروانی، پروفیسر سید علی اکبر، پروفیسر عبدالقادر سروری، پروفیسر سعید صدیقی رائے جاسکی پرشاد، پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد، نصیر الدین ہاشمی، پروفیسر اکبر الدین مدنی جیسی شخصیتیں ہمارے شہر کی آبرورہنما تھیں ان میں سے بیشتر اعلیٰ مرتبت کی شخصیتوں سے ملنے اور ان کی سرپرستی میں کرنے کا موقع ملا ہے۔

پروفیسر صاحب بلند قامت، دبلے پتلے، پھر تیلے انسان تھے آواز میں گرج تھی مخی طبع کو ان کا انداز گفتگو متاثر کرتا تھا پروفیسر صاحب ان بڑی شخصیتوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے کبھی اپنے عالم ہونے کا نہ تو دعویٰ کیا اور نہ ہی نام و نمود کو پسند کیا۔ زبان و ادب کی خدمت کرنا ہی ان کا مقصدِ حیات تھا۔ مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ آج کے اساتذہ کرام کس حد تک اپنی ذمہ داریوں کو نبھا رہے ہیں۔ لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ قدیم اساتذہ کی بات ان کے ساتھ ہی ختم ہو گئی۔

حیدر آباد کی علمی و ادبی تعلیمی و فلاحی تذکروں میں پروفیسر صاحب کا نام معقول لوگوں کے ذہن پر ثبت ہے اب بھی کچھ ایسے طلباء موجود ہیں جو پروفیسر صاحب کے احسان مند ہیں، قدرداں ہیں اور ان کے مشکل کے پیر بھی ہیں۔ ادارہ میرا شہر میرے لوگ نے اس روایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور اقی ماضی کے زیر عنوان پروفیسر صاحب کی علمی و ادبی خدمات کو خراج پیش کرنے کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹیٹیوٹ میں ادبی اجلاس کا اہتمام کیا تھا۔

پروفیسر سید محمد صاحب جیسے اساتذہ کا جہاں کہیں بھی ذکر ہوتا ہو گا وہاں کا ماحول عطرِ بینر فضاؤں سے مہکتا ہو گا۔

رائے جانشی پریشاد

گنگا جمنی تہذیب کی مندر لولتی تصویر، وضع دار شخصیت

معاشرہ میں بعض دفعہ ایسے شریف النفس لوگوں سے بھی ملاقات ہو جاتی ہے کہ جن کی شکل و صورت سے ہی پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ شرافت کی آخری حدیں پار کر چکے ہیں۔ اس طرح کے لوگوں کا انداز گفتگو، طرزِ تکلم، مخاطب کرنے کا طریقہ کچھ اس طرح متاثر کُن رہتا ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایسی برگزیدہ شخصیتیں ہیں جن کی قربیت کا ایک ایک لمحہ دل و نظر کو روشنی عطا کر رہا ہو۔ ان کی نرم گفتاری، ان کی انسانیت شرافت، اور واداری، دیانت داری اور انسانی رشتوں سے ان کی وابستگی اپنی آپ مثال ہے۔ ایسے شریف النفس لوگوں میں رائے جانشی پریشاد کا نام بھی پہلی صف میں دکھائی دیتا ہے رائے جانشی پریشاد صاحب سے میں اردو مجلس کی معرفت متعارف ہوا تھا لیکن اب ابھی نہیں ہے کہ میں ان کے بارے میں کچھ جانتا نہیں تھا۔ ڈاکٹر سید محمد الدین قادری زور

کے رفقاء کے کار میں جو ادارہ ادبیاتِ اردو کے قیام میں اہم حصہ لیتے رہے ان میں رائے جانشی پرشاد کو بھی باکمال اربابِ فکر و دانش بھول نہیں سکتے۔ ڈاکٹر زور نے ادارہ ادبیاتِ اردو کے قیام اور اس کی سرگرمیوں کے سلسلے میں اپنے دور کے تمام مشاہیر اور عاشقانِ اردو زبان و تہذیب کا تعاون حاصل کیا تھا۔ رائے جانشی پرشاد نے بھی اپنے ہم عصر قلم کاروں کی طرح کچھ اہم کتابیں تصنیف و تالیف کی ہیں۔ رائے جانشی پرشاد کو ترجمہ نگاری کے فن سے بڑی دلچسپی تھی اردو میں بعض دیگر زبانوں کے اہم مضامین کو منتقل کیا تھا دارالترجمہ (جامعہ عثمانیہ) کے تمام نشیب و فراز سے واقف تھے چنانچہ انہوں نے مجلہ عثمانیہ کے جامعہ عثمانیہ نمبر کے لئے دارالترجمہ پر ایک مفصل ایکٹچ اور ایک طویل مضمون مجلہ عثمانیہ کے لئے ایڈیٹر مجلہ جامعہ عثمانیہ نے تحریر کیا جس کو اہتمام کے ساتھ شائع کیا گیا۔ رائے جانشی پرشاد صاحب کو میں نے ادبی جلسوں اور تہذیبی تقاریب میں ہمیشہ شہزادی ٹوپی پہنے ہوئے دیکھا ہے۔ رائے جانشی پرشاد کا شتہ گھرانے میں علی حیثیت کے حامل رہے ہیں محکمہ اطلاعات عامہ میں ناظم کی حیثیت سے مامور تھے۔ کہا جاتا ہے کہ پولیس ایکشن کے بعد جب حیدر آباد میں ملری گورنمنٹ قائم ہوئی اور جے این چودھری ملری اڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے ریاست کے تمام امور کے ذمہ دار قرار دیئے گئے تھے انہوں نے ریاست کے مختلف محکموں کا جائزہ لیا۔ رائے جانشی پرشاد سے جب انہوں نے ملاقات

کی تو انھیں یقین ہی نہیں آیا تھا کہ رائے جانشی پرشاد ہندو ہیں
 مسٹر چودھری نے نام پوچھا تو انہوں نے جانشی پرشاد بتایا۔ جے این
 چودھری جبرت میں بیٹھ گئے۔ ویسے بھی حیدر آباد کے کاشٹھ گھرانے
 مسلم معاشرہ کے بہت قریب رہے ہیں (اب بھی ہیں) ان کی گفتگو
 ان کا طرز رہن سہن، ان کی پوشاک مسلمانوں کی تہذیب سے میل
 کھاتی ہے تمام کاشٹھ لوگ اردو زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ ۵۰
 ۵۵ سال پہلے کاشٹھ گھرانے کے لوگ شیر والی زیب تن کرتے تھے لیکن
 اب یہ رواج کم ہو گیا ہے بعض ایسے بھی کاشٹھ گھرانے رہے ہیں
 جنہوں نے رومی ٹوپی پہنی ہے رائے جانشی پرشاد بڑے ہی خوش نصیب
 انسان ہیں کہ ان کی اولاد زبور تعلیم سے آراستہ ہو کر پیشوا ڈاکٹر رام پرشاد
 ان کے دوسرے بیٹے ہیں بڑے بیٹے موہن پرشاد ماہر آثار قدیمہ
 ہیں ڈاکٹر رام پرشاد اسٹیشن قدر ادب توازا اور فنکاروں کے
 قدردان ہیں کہ ان کے عہد کے لئے قیس نہیں لیتے بلکہ اپنے پاس
 سے دوائیاں بھی دیتے ہیں۔ ڈاکٹر موہن پرشاد اردو زبان اور شعر و ادب
 سے کافی دلچسپی رکھتے ہیں۔ سیاسی مسائل میں ان کے مضامین خاص طور
 پر آثار قدیمہ کے موضوعات پر شائع ہوتے رہتے ہیں اشاعت ۱۰۰ کا
 یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے ادارہ ادبیات اردو کے سرگرمیوں سے
 وابستہ ہیں۔ یوم محمد قلی قطب شاہ تقاریب کے سلسلے میں اہم معاون کی
 حیثیت سے انتظامیہ کا ساتھ دیتے ہیں خاص طور پر یوم محمد قلی قطب شاہ

کی اقتحاجیہ تقریب میں جو احاطہ گیند محمد قلی قطب شاہ میں منعقد ہوتی ہے انتظامات میں ہاتھ بٹانے ہیں رائے جانکی پیرشاد کے تمام بیٹے خالص حیدر آبادی تہذیب کے نمائندے ہیں انہوں نے اپنے والد محترم کی روایت کو باقی رکھا ہے۔ جانکی پیرشاد صاحب کی سرپرستی میں کچھ اردو مجلس کا کام کرنے کا موقع ملا۔ رائے جانکی پیرشاد اردو مجلس کے صدر تھے اور میں معتمد تھا جس زمانے میں منظور احمد معتمد اردو مجلس تھے اردو حال میں اردو مجلس کے زیر اہتمام بہت ہی معیاری ادبی مجالس اور تہذیبی تقاریب ہوا کرتی تھیں میں اردو کان کن کے طالب علم کی حیثیت سے جہاں منظور احمد میرے استاد تھے اردو مجلس سے دلچسپی رکھتا تھا منظور احمد صاحب کی خواہش پر وقتاً فوقتاً اردو مجلس کے جلسوں میں اُن کے تعاون کرتا تھا ایک دفعہ اردو مجلس کا ایک اہم اجلاس جاری تھا میر جس وقت کسی کام کے سلسلہ میں ہال کے باہر آیا تھا تو رائے جانکی پیرشاد حال کے سامنے ٹھہل لہے تھے۔ اس دوران مجھ سے فرمایا بلکہ اپنی عادت کے مطابق نہایت اعلیٰ کے ساتھ کہا کہ آپ اردو مجلس کی سرگرمیوں میں منظور صاحب کا ساتھ دیتے رہیں۔ انہوں نے یہ بات اردو مجلس سے میری دلچسپی سے متاثر ہو کر کہی تھی جب وہ اردو مجلس کے صدر تھے اور میں معتمد اردو مجلس تھا تو ان سے اکثر دفعہ ملاقات کا موقع ملا تھا بعض دفعہ اُن کے دولت خانہ و ارفع ملے پلی مزد تاج محل ٹاکیہ جانے کا اتفاق ہوا کرتا تھا نہایت ہی سچھے ہوئے انداز میں تبادلہ خیال کرتے تھے۔

جائے پیرشاہ صاحب انجمن ترقی اردو اور اردو مجلس کے جلسوں میں لازماً شرکت کرتے تھے ہمیشہ وقت مقررہ پر آتے تھے اور ان کی نشستیں سامعین کی پہلی صف میں ہوتی تھیں۔ بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ اس دور کے تمام مشاہیر زبان و ادب اپنی اپنی نشستوں پر اس طرح بیٹھتے تھے کہ جیسے وہ جگہ ان کے لئے مخصوص ہے بعض حضرات کہتے تھے کہ اردو مجلس ریٹائرڈ اعلیٰ عہدہ داروں اور معر ادب دوست حضرات کی انجمن ہے چونکہ اردو مجلس کے جلسوں میں کئی موظف اعلیٰ آفسیروں اور ادب دوست حضرات شرکت کرتے تھے ان کی شرکت نوجوان شاعروں کے لئے حوصلہ افزائی کا باعث بنتی تھی اور بالان لوگوں سے کچھ بھرا رہتا تھا۔ مولوی حبیب الرحمن، پروفیسر مارون خان شروانی، رائے جائے پیرشاہ اور اردو کی اہم شخصیتیں موجود رہتی تھیں۔ رائے جائے پیرشاہ کی ساری زندگی اردو ماحول میں گزری۔ اردو نھذیب کے تحفظ و بقا کی سرگرمیوں سے وابستگی میں بسر ہوئی۔ رائے جائے پیرشاہ نے اپنے آپ کو نہیں بدلا وہ اپنی شریفانہ رکش پر آخری دم تک قائم رہے۔ پولیس ایکشن کے بعد کچھ لوگ ضرور بدل گئے لیکن رائے جائے پیرشاہ کے ایل این گپتا، حبش گوپال راؤ اکبوتے اور اس طرح کے کچھ اور غیر مسلم حضرات نے کبھی اپنے آپ کو نہیں بدلا بلکہ انہوں نے پولیس ایکشن کے زمانے میں پیرشاہان حال مسلمانوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ رائے جائے پیرشاہ کی طرح ای۔ این گپتا بھی اردو زبان اور اس کی بقاء کے لئے سرگرم عمل ہے

حکومت آندھرا پردیش میں فینانس سکریٹری تھے ایل، این گپتا ادبی ٹرسٹ کے صدر نشین بھی رہ چکے ہیں اس کے علاوہ اردو کے کئی اہم اداروں جیسے ادارۃ ادبیات اردو، انجمن ترقی اردو اور مولانا ابوالکلام آزاد انیشیٹیوٹس وغیرہ سے ان کی کسی نہ کسی حیثیت سے وابستگی رہی۔ رائے جانی پیرشاد کا سلوک اپنے محکمہ کے اسٹاف کے ساتھ ہمیشہ سرپرستانہ و مشفقانہ رہا۔ انہوں نے ہمیشہ ملازمین کی بھلائی اور ان کے فائدے کے بارے میں سوچا اور ان کی بہتری کے لئے بہتر سلوک کا مظاہرہ کیا۔ رائے جانی پیرشاد بھی حیدرآباد کی گنگا جمنی تہذیب کی پاسداری کرنے والی شخصیت تھے یہ ہیں جنہیں ہندو معاشرہ کبھی بھول نہیں سکتا۔ جہاں کہیں اعلیٰ سطح پر اردو زبان و ادب کی بات نکلتی ہے وہاں جانی پیرشاد جیسے محسنین اردو کا تذکرہ ضرور آجاتا ہے ان کے انتقال کے کئی برس بعد بھی انہیں یاد کیا جاتا ہے۔ ۸ سال پہلے کی بات ہے کہ میں نے ڈاکٹر رام پیرشاد کو یہ مشورہ دیا تھا کہ پیچھے والے مجتہد کے نام سے ایک ادبی انجمن قائم کریں تاکہ ان کی یاد میں مختلف اوقات میں ادبی جلسے منعقد کیے جاسکے۔ یہیں جلسوں کے حوالے سے رائے صاحب کی علمی و ادبی خدمات اور ان کے کارناموں اور ان کی شخصیت کے بارے میں تذکرہ ہوتا رہے گا اور اردو کی نئی نسل بھی واقف ہو جائے گی کہ ہمارے شہر میں کیسی کیسی ممتاز شخصیتیں رہیں ہیں رائے جانی پیرشاد کی یاد میں ادارۃ میرا شہر میرے لوگ کی جانب سے مولانا ابوالکلام آزاد انیشیٹیوٹ میں اعلیٰ پیمانے پر ادبی تقریب منعقد

ہوئی تھی جبکہ گاہ اپنی تنگ دامن کی شکایت کر رہا تھا۔

ایک دفعہ میں اردو مجلس کے ایک پروگرام کو قطعاً دینے کے لئے ان کے گھر ایسے وقت گیا تھا جبکہ ان دنوں وہ اپنی آنکھوں کے آپریشن کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کی ہدایت کے مطابق گھر پر آرام کر رہے تھے میری آمد کی اطلاع پا کر انہوں نے اپنے مخصوص کمرہ میں آنے کے لئے کہا۔ اس وقت ڈاکٹر رام پرشاد گھر پر موجود تھے ڈاکٹر رام پرشاد کے ساتھ جاوے پرشاد صاحب رہتے تھے، مجھے بلا لیا۔ چائے سکٹ سے تواضع کی زبان و ادب کے سلسلے میں گفتگو رہی پھر اردو مجلس کے آئندہ ہونے والے پروگرام کو قطعاً دے دی گئی۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ ملاقات کو ٹال بھی سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنی خاندانی اعلیٰ روایات اور شخصی شرافت کا ثبوت دیتے ہوئے ملاقات میں تامل نہیں کیا۔ وضع داری جانکی پرشاد کی شہزادی کا ایک اہم پہلو تھی۔ اپنے سانچوں سے ہمیشہ نرم لہجہ میں گفتگو کرتے تھے ایک صاحب الرائے شخصیت کی حیثیت سے اردو کے مسائل کے بارے میں ان کی رائے کو ایسا حاصل تھی۔ وہ کئی برس اردو مجلس کے صدر رہے۔ منظور احمد صاحب کے دور میں اردو مجلس کی سرگرمیوں کو تیز کر دیا گیا تھا۔ ان کے دور میں رائے جاوے پرشاد کی سرپرستی میں نہ صرف نامور شخصیتوں کی یاد میں اہم جلسے ہوئے بلکہ اردو مجلس کے نثر جہان مجلس کے خصوصی ممبر جیسے قزاق مینز، مونس مینز، مولوی عبدالحق مینز، کپڑے مینز، یہ ہے کہ اس وقت مسئلے باوجود بھی اردو تہذیب کے حالات سازگار تھے لیکن آج سب کچھ بدل گیا لوگ زبان و ادب سے دور ہو چکے ہیں۔ اللہ شہید کر۔

عابد علی خاں

چشمہ فیضِ رواں - سوغاتِ دیدہ و دلِ عظیم صحافی

شہرِ شرافت نواز، حیدر آباد، فرخندہ بنیاد کی عظمت و رفعت کو چار چاند لگانے والے فرزندانِ جامعہ عثمانیہ اور مہذب معاشرہ سے وابستہ ایسی بلند مرتبت و ذی قدر اعلیٰ ظرف شخصیتیں جن کے کارنامے ناقابلِ فراموش ہیں جو علمی و ادبی، صحافتی و تہذیبی، فلاحی و معاشرتی تاریخ میں سنہرے حروف ہیں کچھ جائیں گے۔ ان میں عابد علی خاں صاحب کا نام بھی سرفہرست رہے گا۔ اس سرزمینِ محبت شناس نے ہر دور میں بے شمار صاحبانِ علم و دانش، دانشورانِ فکر و نظر، پاسبانِ تہذیب و ثقافت اور باکمال لوگوں کو جنم دیا ہے۔ پر وقار و معتبر شخصیت، ممتاز عثمانین و نامور صحافی جناب عابد علی خاں صاحب بھی ان محدودے چند دیدہ و دروں میں سے ایک تھے جنہوں نے حیدر آباد کی تہذیبی و علمی زندگی کو نور و نکھت سے معمور کیا۔ عابد علی خاں صاحب جیسی باصلاحیت و قابلِ قدر و ممتاز شخصیتیں برسوں میں پیدا ہوتی ہیں ایسی شخصیتیں جو نرم و گرم حالات سے دوچار

رہتی ہیں وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ اپنے ہونے کا احساس دلاتی رہی ہیں
 تعلیمی شعبہ کو کہ صحافتی و فلاحی شعبہ، تہذیبی ہو کہ ثقافتی کو نہ ایسا
 گوشہ ہے جس میں عابد علی خاں صاحب نے اپنے نقوش نہیں چھوڑے
 بانی روزنامہ سیاست جناب عابد علی خاں صاحب اعلیٰ اخذان صاحب
 شروت، چشم و چراغ ہونے کے باوجود ایک عالمِ آدمی کی طرح معاشرہ کا
 ایک اہم حصہ بنے رہے۔ وہ لوگ بہت ہی خوش نصیب ہیں جو عابد علی خاں
 صاحب کے مخصوص دوستوں میں شامل رہے ہیں۔ وہ لوگ بھی اپنے آپ
 کو قسمت والے سمجھتے ہیں جو عابد علی خاں صاحب کے حلقہٴ احباب اور
 ان کے خاص دوستوں میں نہیں بلکہ ان کے عقیدت مندوں میں شامل ہیں۔
 ان لوگوں کا دامن بھی ہمہ سبز و شاداب ہے جنہیں عابد علی خاں صاحب کی
 سرپرستی میں اپنی فکر و دانش کے چراغ روشن کرنے کا موقع ملا۔ عابد علی خاں
 صاحب کی پُرکشش شخصیت کا دائرہ بہت وسیع تھا ان کی فکر و خیال
 کے عام گوشے روشن و منور تھے جو ہر لمحہ اجالوں کی تفسیر رہا کرتے تھے
 خوش مزاجی اور رواداری، مروت، انساں دوستی، تہذیبِ گذشتہ سے
 دیبستگی اور دورِ حاضر کے مسائل سے باخبری ان کی طبیعت کا خاصہ تھا۔
 عابد علی خاں صاحب نے حیدر آباد کی گنگا جمنی تہذیب اور اپنے پُرکھوں
 کی اعلیٰ و ارفع روایات کے تحفظ و بقا کے لئے اپنی زندگی کا ایک بڑا
 حصہ وقف کیا تھا۔ صحافتی زندگی سے گہری دلچسپی رکھتے ہوئے بھی
 علم و ادب کے چراغ جلانے اور جلنے ہوئے چراغوں کو آندھیوں سے

چلنے کے لئے نمایاں رول ادا کیا۔

عابد علی خان صاحب نے مدیر سیاست کی حیثیت سے ساری صحافتی دنیا میں اپنا نام روشن کیا۔ سیاست اخبار کی اشاعت ایک ایسے زمانے میں عمل میں آئی جبکہ حیدرآباد کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو سقوط ریاست حیدرآباد اور پولیس ایکشن کے مضر اثرات نے انتہائی مشکلوں اور پریشانیوں کے عالم میں مبتلا کر دیا تھا۔ عابد علی خان صاحب زوال حیدرآباد کے بعد اپنی زبان اور اپنی تہذیب کے تحفظ و بقا کے لئے فکر مند تھے ایسے ناگفتہ بہ اور پریشان کن حالات میں کچھ ایسے غیر مسلم لوگ بھی موجود تھے جنہوں نے مسلمانوں کی اپنی جان پر شہیل کر حفاظت کی۔ مسلمانوں کے دل و دماغ پر چھپائی و احساس کمتری کو دور کرنے اور شہر حیدرآباد پر جو مختلف قسم کے سیاسی غیر سیاسی ہرزاساں بادل چھائے ہوئے تھے ان سے نجات دلوانے کے لئے عابد علی خان صاحب نے اپنے جگری دوست جناب محبوب حسین جگر کا ہاتھ سے ۱۵ اگست ۱۹۴۹ء میں اخبار سیاست شائع کیا۔ سیاست اخبار کو خاص طور پر حیدرآباد کے مسلمانوں کے مسائل کی یکسوئی اور ملک کے حالات پر رپورٹر اثر تحریروں کے لئے بھی وقف کر دیا تھا۔ سیاست کی اشاعت نے حیدرآباد اور حیدرآبادی مسلمانوں کی غیر معمولی خدمت انجام دی۔ آج اخبار سیاست اردو صحافتی دنیا میں بقعہ نور کوہ نور کی طرح جگمگا رہا ہے۔ عابد علی خان صاحب نے اپنی زندگی کے آخری

لمحوں تک سیاست کی ترقی کے لئے، اردو زبان کے تحفظ و بقا اور
 حیدرآبادی تہذیب و ثقافت کے لئے بہت کچھ کیا۔ جناب عابد علی خان
 صاحب نے انجمن ترقی اردو کے شریک معتمد کی حیثیت سے بھی ریاستی
 تعلیمی امور کے سلسلے میں بہترین خدمات انجام دیں۔ حیدرآباد کے
 بعض علمی و تہذیبی اداروں سے ان کی وابستگی نے ان اداروں اور
 انجمنوں کا نقشہ ہی بدل دیا۔ اور ان تمام اداروں کو ترقی دی جن سے
 وہ وابستہ رہے۔ عابد علی خان صاحب میٹجنگ ٹرسٹی ادبی ٹرسٹ
 تھے جنہوں نے مشاعروں کی آمدنی کے ذریعہ علمی و ادبی اداروں کی کافی
 مدد کی۔ بعض تعلیمی، علمی و ادبی اداروں کے لئے ٹرسٹ بنوائے اور اچھی
 خاصی رقم فلکسڈ ڈپازٹ کے طور پر محفوظ کروائی۔ ادارہ ادبیات
 اردو، اردو گھر اور کچھ اور علمی و ادبی ادارے جس کی روشن مثال
 ہیں۔ ۱۹۶۶ء میں ادبی ٹرسٹ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ادبی ٹرسٹ
 کے مشاعروں میں ہندوستان و پاکستان کے اہم شاعروں کو مدعو کیا
 جاتا رہا۔ انہوں نے شنکرجی میموریل سوسائٹی کی بنیاد رکھی۔ شنکرجی
 کے نام پر کل ہند مشاعروں کا آغاز کیا۔ عابد علی خان صاحب کی خدمات کی
 ایک طویل فہرست ہے عابد علی خان کی صحافتی خدمات کے اعتراف میں بھی
 کئی منہا... لکھے جاسکتے ہیں۔ میرے اس تاشرائی مضمون میں اتنی گنجائش
 نہیں ہے کہ ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر بھرپور روشنی ڈالی جاسکے
 اس مختصر و نامکمل نثریہ خبر کے ذریعہ صرف ایسے واقعات کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں

جو میری ادبی و ثقافتی زندگی کے نشوونما میں کلیدی رول ادا کرتے رہے
جب میں ۱۹۵۹ء میں سیاست سے وابستہ ہوا تو اُس وقت میں
عابد علی خاں صاحب سے واقف ضرور تھا لیکن ”سیاست“ وابستگی کے
بعد ان کی شخصیت کے مختلف گوشے میری نظروں میں تازہ آجالوں
کی طرح عیاں ہو نہ سکے۔ میں نے اپنے بعض مضامین میں بتایا ہے کہ
کس طرح سیاست سے میری وابستگی ہوئی۔ میں اُن باتوں کو دوہرانا
چاہتا ہوں تاکہ سیاست سے میری وابستگی کی ۲۲ برسوں کی سرگرمیاں
محقر سہی قارئین کے علم میں رہیں۔ ۱۹۵۹ء میں، میں اور نیشنل اردو
کانج میں بی۔ او۔ ایل کا طالب علم تھا۔ کانج کی بزمِ اردو کا صدر بھی تھا
کانج کی شعری و ادبی محفلوں کی چیریں سیاست میں اشاعت کے لئے لایا
کرتا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب سیاست کا آفس ٹین شیڈ
میں ”سیاست“ کی پیرانی عمارت کے روبرو ایک چھوٹی سی جگہ پر قائم تھا
سیاست میں اشاعت کے لئے جگر صاحب کو نیوز دیا کرتا تھا۔ ایک دن
عابد علی خاں صاحب پر میری نظر پڑی۔ اُس وقت آفس میں عابد علی خاں
صاحب، جگر صاحب اور شاہد صدیقی صاحب موجود تھے۔ ۱۹۵۹ء میں
جگر صاحب نے محفلِ شعرِ کالم کا کام میرے تفویض کیا۔ محفلِ شعر کے کالم
کی وساطت سے میں سیاست کی آئندہ ہونے والی بہت سی ادبی سرگرمیوں
سے وابستہ ہوتا چلا گیا۔ سیاست کی مختلف نوعیت کی ادبی سرگرمیوں
کے سلسلے میں جگر صاحب کی زیر نگرانی کام کرتا رہا۔ عابد علی خاں صاحب موجود

رہیں تو انھیں سلام کر لیا کرتا تھا۔ ادبی ٹرسٹ کے قیام کے بعد عابد علی خاں صاحب
 سے میری قربت بڑھنے لگی۔ عابد علی خاں صاحب نے ادبی ٹرسٹ کی سرگرمیوں
 میں مجھے شامل کر لیا۔ ادبی ٹرسٹ کی سرگرمیوں کے سلسلے میں عابد علی خاں صاحب
 سے ہر روز رابطہ رکھنا ضروری ہوتا تھا ان دنوں ادبی ٹرسٹ کی سرگرمیاں
 بڑھتی جا رہی تھیں جب ادبی ٹرسٹ کا قیام عمل میں آیا تو ایک دن عابد
 علی خاں صاحب نے ادبی ٹرسٹ کا کام مجھے سونپتے ہوئے فرمایا تھا کہ
 ادبی ٹرسٹ حیدر آباد کے شاعروں اور ادیبوں کے لئے قائم کیا گیا ہے میں
 چاہتا ہوں کہ آپ آفس کی ذمہ داری سنبھالیں اور یہ بھی فرمایا تھا کہ آپ کو
 اعزازی طور پر کام کرنا ہوگا۔ میں نے بلا تاہل یاں کہہ دیا اور کہا کہ بلا معاوضہ
 کام کروں گا۔ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ جب تک آپ کا مجھ پر اعتماد رہے گا
 میں کام کرتا رہوں گا۔ ادبی ٹرسٹ کے قیام کے ایک ماہ بعد آفس کا کام
 میرے سپرد کیا گیا۔ ادبی ٹرسٹ کے دفتری امور میرے ذمے تھے اکاؤنٹس
 اور بعض دیگر کام ”مباہرت“ آفس کے اسٹاف سے لیا جاتا تھا۔
 جیسے جیسے میں عابد علی خاں صاحب کے قریب ہونے لگا وہ مجھ پر کچھ زیادہ
 ہماہریان ہونے لگے۔ مجھ سے بے حد پیڑ خلوں، سرپرستانہ سلوک
 جاری رکھا۔ ادبی ٹرسٹ کا کام ”سیار“ کے نفع و فین کردہ کام کے ساتھ
 جاری رہتا تھا۔ ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں کا جب ۱۹۶۶ء میں آغاز ہوا
 تو مشاعروں سے متعلق تمام امور سے واقف کرواتے تھے مشاعروں سے
 متعلق اشلہ جات میری تحویل میں رہتے تھے۔ ان دنوں میں

سکرٹریٹ میں یو۔ ڈی سی (اسٹنٹ سکشن آفیسر) تھا سکرٹریٹ
 جانے سے پہلے صبح ۹ بجے سیاست آفس پہنچتا تھا اور شام میں
 ۵ بجے سے "سیاست" میں رہتا۔ تعطیلات کے دنوں میں سوائے
 اتوار کے ہر روز صبح ۱۰ بجے سے ۶ بجے شام تک سیاست میں موجود رہتا۔
 ادبی ٹرسٹ کے زیر انتظام ایک بک اسٹال قائم کیا گیا تھا جس کا میں
 انچارج تھا ایک اسٹال کنارہ بینک عابد روڈ کے شوروم میں قائم تھا۔
 سکرٹریٹ سے لوٹتے ہوئے بک اسٹال کی کارکردگی کا جائزہ لیتا تھا
 سیاست پہنچنے کے بعد ادبی ٹرسٹ کے کام کے علاوہ مجھے متعلق سیاست ادبی
 کالموں کے سلسلے میں معروف رہتا۔ عابد علی خان صاحب مجھ پر غیر معمولی
 اعتبار کرتے تھے چنانچہ انہوں نے ادبی و سیاسی محفلی اسور سے متعلق ایک
 خاص فائل میرے حوالے کی تھی۔ اسی طرح جناب محبوب حسین جگر نے بھی
 ایک خاص فائل میرے حوالے کی تھی۔ تمام اہم خطوط و کاغذات جو ادبی و
 سیاسی نوعیت کے ہوتے تھے میری تحویل میں رہتے۔ عابد علی خان صاحب
 جب ادبی جلسوں میں جاتے تو اکثر دفعہ مجھے اپنے ساتھ رکھتے۔ عابد علی خان
 صاحب کے استعمال میں سیاہ رنگ کی ایمبیسڈڈ کار تھی جس کا نمبر ۸۶،
 تھا نمبر پلیٹ اردو میں تھی۔ عابد علی خان صاحب انجمن ترقی اردو کی
 سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ انجمن کی کارروائیاں
 چاہے ریاستی حکومت سے تعلق رکھتی ہوں کہ مرکزی حکومت سے آسانی
 کے ساتھ یا یہ تکمیل کو پہنچ جاتیں۔ عابد علی خان صاحب بہت ہی دست و نواز

انسان تھے۔ ہر حکومت کے سربراہ ان سے مراسم رکھتے تھے سیاست کی مستند حیثیت نے بڑے بڑے سیاسی و غیر سیاسی قائدین و رہنماؤں کو عابد علی خان صاحب سے قریب کیا تھا سیاست آج بھی ہندوستان کے تمام اُردو اخبارات میں اپنی انفرادیت اور خصوصی پہچان کے ساتھ غیر معمولی شہرت کا حامل ہے جناب عابد علی خان صاحب نے اپنے دوست اور اپنے رفیق کار جناب محبوب حسین جگر کی رفاقت و مشاورت سے سیاست کی شہرت کو کسان کی بلند یوں تک پہنچا دیا۔ عابد علی خان صاحب اور محبوب حسین جگر کی دوستی مثالی تھی۔ جگر صاحب نے اپنی ساری زندگی سیاست کے لئے وقف کر دی تھی۔ سیاست اخبار کا ہر کام ایک دوسرے کے مشورہ سے انجام پاتا تھا دونوں ایک جان دو قالب تھے عابد علی خان صاحب نے صحافتی خدمات کے علاوہ ادبی خدمات کے لئے بھی نمایاں حصہ ادا کیا۔ ادبی ٹرسٹ کے مینیجر ٹرسٹی کی حیثیت سے قیام ادبی ٹرسٹ سے اپنی رائے تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ ادبی ٹرسٹ کے مشاعرے ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ ہندوستان میں اتنا بڑا مشاعرہ کہیں بھی نہیں ہوتا۔ ملک کے تمام اہم اور فاضل کے شاعروں نے ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں میں شرکت کی ہے۔ پاکستان کے بعض اہم شاعروں نے بھی حصہ لیا۔ عابد علی خان صاحب ایک خوشحال گھرانے کے چہشم و چراغ تھے۔ اعلیٰ درجہ کا خاندانی پس منظر ہے۔ ہمایوں جامو عثمانیہ میں اعلیٰ تعلیم کے لئے داخلہ لیا۔ ہمایوں عثمانیہ سے گرانجوشین کیا جامو عثمانیہ میں انھیں مختلف الطبع

اساتذہ اور طلباء سے سابقہ پڑا۔ جس کی وجہ سے ان کی صلاحیتوں کو
 ابھرنے کا موقع ملا۔ ان کی بہترین کارکردگیوں کی وجہ سے ان کا نام ممتاز
 عثمانین میں بھی سنہری حروفوں سے لکھا گیا۔ عابد علی خان صاحب شہر کی بعض
 قابل ذکر اور اہم ادبی، فلاحی، تعلیمی و ثقافتی اداروں اور انجمنوں سے
 وابستہ رہے۔ انجمن ترقی اردو کے معتد اور نائب صدر کی حیثیت سے
 نمایاں خدمات انجام دیں۔ عابد علی خان صاحب کے مراسم ہر حکومت سے
 خوشگوار رہے۔ اخبار سیاست کو کبھی بھی کسی سیاسی پارٹی کا ترجمان نہیں
 بنایا۔ سیاست اپنی غیر جانبدارانہ پالیسی کی وجہ سے کبھی روز افزوں ترقی
 کے زینے طے کرتا گیا۔ "سیاست" کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ سیاست
 میں شائع ہونے والی ہر تحریر کو سند کا درجہ حاصل رہتا ہے سیاست
 کے اداریے اپنی آپ مثال ہوتے ہیں عابد علی خان صاحب کو
 حکومت کے سربراہوں نے حکومت میں ایک اہم سیاسی پوزیشن سے
 نوازنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے کسی بھی سیاسی پارٹی میں اپنی
 شرکت مناسب نہیں سمجھی۔ تقریباً ہر حکومت نے انہیں رکن پارلیمنٹ
 کی پیش کش کی۔ لیکن انہوں نے انکار کیا۔ عابد علی خان صاحب مجھے
 بہت عزیز رکھتے تھے میرے کام کی قدر کرتے تھے میری سرپرستی میں ہمیشہ
 فراخ دلی سے کام لیا کرتے تھے سیاست کی اتنی لمبی رفاقت کے دوران
 کبھی بھی کسی بھی سلسلے میں ناراضگی یا خفگی کی صورت حال پیدا نہیں ہوئی مجھ
 سے ہمیشہ مسکراتے ہوئے بات کرتے تھے جب سیاست افس

باہر کے بڑے شاعر و ادیب آتے تو میرا بھرپور تعارف کرواتے۔ مجھے
 قیر کی بجائے ناسرکہ کر مخاطب کرتے اور کبھی شاعر اعظم کہتے تھے۔ مجھ
 پر یہ صدا اعتماد رکھتے تھے عابد علی خان صاحب نے تمام حیات اپنی
 مسکراہٹ میں کبھی کبھی آنے نہیں دی۔ ادبی ٹرسٹ کے مسئلہ جات کا
 بغور مطالعہ فرماتے اور مناسب تجاویز سے سرفراز فرماتے تھے۔ یہی اخبار
 سے متعلق کام جبکہ صاحب کی راست نگرانی میں انجام دیا کرتا تھا عابد علی خان صاحب
 بھی یا خیر کہتے تھے۔ عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کا پانچ مشترکہ
 ہوتا تھا مجھے بھی پانچ میں شریک فرماتے۔ سیاست سے متعلق بعض ادبی
 معاملات میں مجھ سے مشورہ لینے اور ادبی محفلوں اور ادبی تقاریب سے مجھ کو
 وابستہ کرتے تھے عابد علی خان صاحب کی رہائش گاہ پر اکثر دفعہ محفلیں
 سمجھتی تھیں عشا ئیہ میں لازماً مجھے مدعو فرماتے تھے اپنے خاندان کے ایک
 فرد کی طرح مجھ سے سلوک فرماتے۔ عابد علی خان صاحب کو ادبی ٹرسٹ
 کے کاموں سے اس قدر لگاؤ تھا کہ وہ یہ حالت بیماری متعلقہ
 مسئلہ جات ملاحظہ فرماتے تھے۔ عابد علی خان صاحب کی علالت کے زمانے
 میں ادبی ٹرسٹ کی مشیوں کے کر میں خود جانا تھا وہ پلنگ پر لیٹے لیٹے
 فائیلوں کا مطالعہ فرماتے اور مناسب تجاویز اور ایوارڈ سے سرفراز
 کرتے۔ عابد علی خان صاحب نے کام کو ہمیشہ اہمیت دی۔ ادبی ٹرسٹ
 کے مشاعروں کے سلسلے میں بھی مجھ پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی تھی کہ میں
 مشاعرہ کی یہ فائیل کو UP TO DATE رکھوں۔ مدعو شعراء کو

خطوط لکھنے ہدایت فرماتے۔ میرے مسودہ میں چند غلطی ہوئی تو
 ترجمہ و اضافہ کرتے اور اپنے دستخط کے ساتھ لکھا روائی کو آگے بڑھاتے
 ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں کے لئے یہاں و نیز زبان شعراء کی ٹرسٹ کو
 میری موجودگی میں قطعیت دی جاتی۔ مشاعرہ سے متعلق سرگرمیاں زیادہ تر
 جگر صاحب کی زیر نگرانی جاری رہیں۔ ادبی ٹرسٹ کے مشاعرہ کی وساطت
 سے ملک کے بیسیوں شاعروں کو روشناس کروایا گیا۔ یہاں
 شعراء کی دل کھول کر تشہیر کی جاتی تھی "سیاست" کے ذریعہ کی جانے والی
 تشہیر سے بیرونی شعراء نے بغیر معمولی مقبولیت حاصل کی۔ ادبی ٹرسٹ کے
 مشاعرے کسی وقت بھی بد نظمی کا شکار نہیں ہوئے۔ اعلیٰ انتظام کے
 ساتھ ساتھ عوام کے بھرپور تعاون نے ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں کی
 مقبولیت میں کافی اضافہ کیا ہے۔ عابد علی خان صاحب نے اردو تحریک
 سے ہمیشہ اپنے آپ کو وابستہ رکھا۔ شخصی طور پر اور اخبار کے ذریعہ اردو
 کے مسائل کی نیکوئی فرماتے رہے۔ عابد علی خان صاحب کے مراکم نہ صرف
 تمام حکومتوں کے سربراہوں سے ہی تھے بلکہ ملک بھر کے تمام اہل قلم
 دانشوران شعراء و ادب سے بھی تھے۔ اس معنوں میں کہاں اتنی گنجائش ہے
 کہ میں عابد علی خان صاحب کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو کما آجا کر
 کر سکوں۔ یہ ایک ایسی ہمہ گیر شخصیت گذری ہے کہ جن پر ایک ضخیم
 کتاب لکھی جاسکتی ہے خاص طور پر ان کی صحافتی خدمات ہر دور میں
 یاد رکھی جائیں گی۔ صحافتی دنیا میں جگر صاحب کے ذکر کے بغیر عابد علی خان صاحب

کا ذکر ناممکن اور ادھر اس کا جنازہ ہوا۔ عابد علی خان صاحب کا انتقال ۱۲ نومبر ۱۹۹۲ء ہوا۔ طویل علالت کے زمانے میں بھی اخبار کی مصروفیات سے اپنے آپ کو وابستہ رکھا۔ عابد علی خان صاحب کے انتقال کی خبر جناب محبوب حسین جگر نے روتے ہوئے مجھے ذریعہ فون دی تھی اُس وقت صبح کے ۵ بجے تھے۔ جب میں عابد علی خان صاحب کے گھر پہنچا تو سارا گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا عابد علی خان صاحب کی میت تک پہنچا انہیں دیکھا اودان کے قدموں کو چھو کر اپنا نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ کچھ دیر بعد جگر صاحب نے فرمایا جن جن لوگوں کو اطلاع دینا ہے فون پر ہے دو جگر صاحب کے ارشاد کے بعد میں اپنے گھر گیا اور وہاں سے تقریباً ۵۰ حضرات کو فون پر عابد علی خان صاحب کے انتقال کی خبر دی۔ عابد علی خان صاحب کے جنازے میں ہزاروں لوگوں نے بلا تخصیص مذہب و ملت شرکت کی تھی۔ انہیں قبرستان آخرت منزل میں دفن کیا گیا۔

عابد علی خان صاحب کی گورنر آندھرا پردیش کرشن کانت سے گہری دوستی تھی گورنر صاحب جب ریٹائر ہوئے تو گورنر حیدر آباد تشریف لائے تو انہوں نے حیدر آبادی مسلمانوں میں سے پہلے عابد علی خان صاحب سے ملاقات کی۔ عابد علی خان صاحب کی زندگی تک ان کے دوستانہ مراسم باقی رہے عابد علی خان صاحب کے مشورہ اور تعاون سے راج بھون میں ادبی و تہذیبی سرگرمیاں کا آغاز ہوا۔ عابد علی خان صاحب کی وجہ سے ہی مجھے گورنر صاحب سے قربت حاصل ہوئی۔ راج بھون کی ایک اہم تقریب میں عابد علی خان صاحب

نے گورنر صاحب سے میرا بھرپور تعارف کروایا تھا۔ پہلا تعارف اس قدر پُر اثر تھا کہ گورنر صاحب راج بھون کی ہر تقریب میں مجھے مدعو فرماتے لگے۔ گورنر صاحب نے بعض مواقع پر اردو شعر و ادب کے سلسلے میں مجھ سے تعاون حاصل کیا کرتے تھے عابد علی خان صاحب کے بڑے فرزند جناب زاہد علی خان نظام کالج کے طالب علم تھے نظام کالج سے گراجویٹیشن کرنے کے بعد ۱۹۶۲ء میں سیاست سے وابستہ ہو گئے۔ عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کی راست تربیت انھیں حاصل رہی۔ زاہد علی خان صاحب اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کی وجہ سے غیر معمولی خدمات انجام دے رہے ہیں عابد علی خان صاحب کے انتقال کے بعد ایڈیٹر سیاست بنے۔ زاہد علی خان صاحب نے سیاست کی مقبولیت میں کافی اضافہ کیا۔ آج سیاست اپنی کامیابی کی آخری منزلیں طے کر رہا ہے اور رکشائی کا یہ سفر اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری ہے۔ عابد علی خان صاحب کی قیادت میں مجھے۔ ہم سالہ جشن حیدر آباد تقاریب جدہ کے سلسلے میں جدہ حملے کا اعزاز حاصل ہوا اسی طرح۔ ہم سالہ جشن حیدر آباد تقاریب کویت میں بھی عابد علی خان صاحب کی سرپرستی میں سے بی شرکت کی تھی۔ ڈاکٹر سعید الدین قادری زور "سیاست" کی اشاعت پر بہت خوش تھے عابد علی خان صاحب کی صلاحیتوں کے معترف تھے۔ جناب عابد علی خان صاحب انجمن ترقی پسند مہذبہ حیدر آباد کے معتدعوں ہی رہ چکے ہیں۔ مدرسہ عالیہ میں ان کے ہم جماعت مشہور کرکٹر غلام احمد اور غلام دستگیر قریشی آٹا اے ایس بھی تھے۔

صاحب چیف مسٹر آندھرا پردیش جناب این ٹی رامارائو حیدر آباد کے کسی مسلمان
 کو خاطر میں نہیں لاتے تھے لیکن عابد علی خان صاحب وہ واحد شخصیت
 تھے جن کی وہ قدر کرتے تھے اضلاع کی ادبی تقاریب میں بھی عابد علی خان
 صاحب کے ساتھ میں رہا ہوں۔ خاص طور پر محبوب نگر کی اردو کانفرنس
 اور مشاعروں میں اکثر ان کے ساتھ رہتا تھا۔ کٹر پہ کے سالانہ گل ہند
 تختہ شاعرہ میں بھی اپنی کار میں مجھے لے گئے تھے۔ عابد علی خان صاحب بہت
 خوش خط تھے ان کی تحریر بڑی جاذب نظر تھی وضع داری ان کی شخصیت
 کی نمایاں خصوصیت تھی۔ ہمیشہ شیروانی زیب تن کرتے۔ کبھی کبھی رومی ٹوپی
 پہنا کرتے۔ جناب عابد علی خان صاحب ایک باصلاحیت مدیر ہی نہیں تھے
 بلکہ اعلیٰ درجہ کے مدیر اور منتظم بھی تھے۔ مدر نشین مجلس عالمہ اردو اکیڈمی
 کی حیثیت سے اردو اکیڈمی کے ان کی وابستگی نے اکیڈمی کو ایک
 کارکرد اور فعال ادارہ بنا دیا تھا۔ انہوں نے اپنی بہترین تعلیمی صلاحیتوں
 کو بروئے کار لاتے ہوئے اردو اکیڈمی کی سرگرمیوں کو وسعت دی اور
 تمام مشاعروں اور ادیبوں کے لئے ایک پلیٹ فارم مہیا کیا۔ عابد علی خان صاحب
 کا نام حیدر آباد کی ادبی و تہذیبی، معاشی و تعلیمی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا
 عابد علی خان صاحب مجھ پر ہمیشہ مہربان رہے۔ ان کے احسانات و سرفرازی
 اور حوصلہ افزائی کی ایک لمبی فہرست ہے خدا انہیں اپنے محبوبوں میں پاکیزہ بندوں
 کی طرح اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ حیدر آباد پر عابد علی خان صاحب
 کے احسانات ہمیشہ زراستانی کرتے رہیں گے۔

محبوب بن ہلکے

(میدانِ صحافت کی منفرد شخصیت - نیک انسان)

ہر مہذب معاشرہ میں کچھ ایسی دلتوازد و دلپذیر دل و نظر میں گھر کرنے والی پُراثر شخصیتیں موجود رہتی ہیں جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ بارانِ فیوض و برکات کی صورت میں تشنگی جسم و جان کو سیراب کرتا رہتا ہے۔ دیدہ و دل میں اُترنے والی شخصیتوں کی حیات و درختاں زندہ معاشرہ میں کچھ ایسا نور پھیل دیتی ہیں کہ آس پاس کا سارا ماحول جگمگانے لگتا ہے جن کی خوشبو ادا مانِ فکر و خیال کے ہر گوشہ میں بسنی رہتی ہے اور جن کی پوری زندگی نوازشاتِ بے پایاں کی آئینہ دار ہوتی ہے اس طرح کے فرشتہ نشین لوگ ہی آسمانوں کی بلند یوں سے بھی آگے نکل جاتے ہیں اور وہ کچھ ایسا کام کر جاتے ہیں کہ اُن کا نام اور اُن کا کام ہر دور میں روشن و پُر نور دکھائی دیتا ہے۔ اس طرح کے منتخب لوگوں میں شامل محبوب حسین جگر صاحب کا نام بھی سچی سیما ہی سے لکھا ہوا قرطاس و قلم کی آبرو بٹھاتا رہے گا۔

سلطنت صحافت کی منفرد شخصیت جناب محبوب حسین جگر نے صحافت کی دنیا میں ہی نہیں، علمی و ادبی، تہذیبی و معاشرتی، فلاحی و اصلاحی جیسے ہر شعبہ کو اپنی فہم و ادراک اور فکر و خیال کی روشنی سے تابناک کیا ہے اردو صحافت کی دنیا کا کون ایسا شخص ہوگا جو محبوب حسین جگر کے صحافتی کارناموں سے واقف نہیں۔ کس شخص سے کیا کام لینا ہے صرف خدا اے قدوس ہی بہتر جانتا ہے۔ ایک ملازم سرکاری حیثیت سے علمی زندگی میں حصہ لینے کے کچھ عرصہ بعد ان کی زندگی میں ایک ایسا موڑ آیا کہ انہوں نے ملازمت کو خیر باد کہتے ہوئے صحافتی دنیا میں قدم رکھا اور ایک صحافی کی حیثیت سے غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ میں نے محبوب حسین جگر صاحب کے انتقال کے بعد سائبانہ کے نام سے جو کتاب لکھی ہے اس میں جگر صاحب کی صحافتی زندگی کے ایک ایک پل کا اپنے مشاہدات و تجربات کی روشنی میں حوالہ دیا ہے۔ میں نے سنیات سے اپنی وابستگی ۱۹۵۹ء سے لے کر ان کے انتقال تک کے شام کو محرم کو اُس کتاب میں محفوظ کیا ہے اُس کتاب میں وہ سب کچھ ہے جو بہت سے لوگوں کے علم میں نہیں ہے میں نے سائبانہ میں جگر صاحب کے بارے میں ہی نہیں جناب عابد علی خان صاحب مدیر سیاست کی خدمات کے بارے میں بھی کھل کر لکھا ہے شہر کے تقریباً تمام اہل قلم جو شعر و ادب و صحافت سے دلچسپی رکھتے ہیں واقف ہیں کہ میرا سیاست اخبار سے کس طرح کا واپارہ رشتہ برقرار ہے جگر آباد کے ادبی و تہذیبی اداروں اور انجمنوں کے سربراہوں اور ارکان کا کسی نہ کسی طرح ٹیلیٹ سے تعلق برقرار رہتا ہے۔ ادبی تہذیبی اور فلاحی، انجمنوں اور

اداروں سے وابستہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ان کی سرگرمیوں سے عوام اور خاص طور پر شعروادب کی دنیا سے وابستہ لوگ سیاست سے واقف ہیں کچھ ایسے ہی حالات تھے کہ میں اپنی اور اپنی ذہنی تخیل کی یا علمی و ادبی حلقوں تک پہنچانے کے لئے سیاست آفس پہنچا۔ میں ان دنوں اور نیشنل اردو کالج کا طالب علم تھا بزم اردو کا صدر بھی تھا۔ مجھے شعری و ادبی و تہذیبی سرگرمیوں سے بے حد لگاؤ تھا۔ میں چاہتا تھا کہ بزم اردو اور نیشنل کالج کی سرگرمیوں کی زیادہ سے زیادہ تشہیر ہو۔ سیاست اخبار نے میری دل کھول کر پذیرائی کی۔ بزم اردو کی ہر ایک نیوز سیاست میں اہتمام کے ساتھ شائع ہوا کرتی تھی۔ ایک دن کی بات ہے کہ میں اور نیشنل اردو کالج کی بزم اردو کے کسی جلسے کی نیوز لے کر سیاست آفس پہنچا۔ اُس وقت جگر صاحب اور عابد علی خان صاحب اپنی اپنی کرسیوں پر تشریف فرما تھے۔ نیوز میں نے جگر صاحب کے حوالے کی۔ جگر صاحب نے بیٹھنے کے لئے فرمایا۔ اچھے موڑ میں تھے۔ جب کسی کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتے تو وہ خوشگوار لب و لہجہ میں گفتگو کرتے تھے مجھ سے اردو کالج اور بزم اردو کی سرگرمیوں کے بارے میں دریافت فرمایا۔ یہ تمہیں انہیں میری کوئی بات پسند آئی کہ انہوں نے مجھے اخبار سیاست سے وابستہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اُس وقت تک عابد علی خان صاحب سے میری کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی صرف جگر صاحب سے ہی گفتگو ہوتی رہی۔ دوسرے کمرے میں شاہد صدیقی صاحب اپنا کالم شیتہ و تیشہ لکھتے میں مصروف تھے۔ جگر صاحب نے انہیں بلوایا۔ میرا تعارف کروایا اور کہا کہ شاہد

ایسی محفل شعر کا کلام دیدہ و آنادلوں محفل شعر کی ترتیب شاید صدیقی صاحب کے ذمہ تھی ہفتہ میں ایک دن نہایت پابندی سے ہر دو شنبہ کو محفل شعر کی اشاعت عمل میں آتی تھی میں ہر چار شنبہ کو سیاست آفس جانا تنہا نئے لکھنے والے شاعروں کا کلام جو ایک خاص لفافے میں محفوظ رہتا تھا لے کر بہترین غزلوں کا انتخاب کرتا تھا۔ اُس زمانے میں (۶۰-۶۱۹۵۹) میں میں نے شعر و ادب کے سرگرمیوں سے اپنے آپ کو کافی سرگرم عمل رکھا۔ بزم اردو کی سرگرمیوں کے علاوہ شہر کے مختلف کالج میں ہونے والے امتحانوں میں شرکت کرتا تھا۔ اُن دنوں ہر سہ کالج میں میزے اہتمام کے ساتھ شعری و ادبی محفلیں آراستہ کی جاتی تھیں میں تقویٰ تہاہر کالج کے مشاعرہ میں مدعو رہتا تھا محفل شعر کا کلام میرے سیاست سے وابستہ ہونے کا پہلا ذریعہ تھا پھر جب قربت بڑھنے لگی تو جگر صاحب نے مجھے مختلف نوعیت کے ادبی و شعری سرگرمیوں میں مصروف رکھا۔ چنانچہ شعری مقابلے بہترین اشعار کا انتخاب یا دیگر اصناف سخن پر مضامین لکھوائے۔ جگر صاحب نے مجھ سے ایسا اہم ادبی کام بھی لیا جس کی بدولت مجھے اردو شاعروں کا مختصر تذکرہ مع انتخاب کلام ترتیب دینے کا موقع ملا۔ انہوں نے ہر ہفتہ ایک منتخب شاعر کی مختصر حیات اور اُس کے کارناموں پر مجھ سے ہفتوں لکھوا کر انتخاب کلام کے ساتھ "سیاست" میں شائع کروایا۔ خود قلی قلیب شاہ سے لے کر رئیس اختر تک ۱۲ شاعروں کی حیات اور شاعری پر میرا تصدیق مع انتخاب کلام شائع ہو چکا ہے جس کو کتابی شکل میں منظر عام پر

لانے سے ادبیاتِ اردو کی تاریخ و تذکرہ میں ایک اضافہ ہو گا۔ میں یہاں
اس بات کی وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ اس کے علاوہ سیاست سے
متعلق جو بھی ادبی محفل ہوتی تھے لازماً ان میں شامل کیا جاتا یا بیشتر جلسوں کا
مجھے کنوینیر مقرر کیا جاتا تھا۔ سب کچھ جگر صاحب کی سرپرستی میں ہوتا تھا
جگر صاحب ہی مجھے سیاست کی ادبی سرگرمیوں میں شامل کرتے تھے
یقیناً وہ عابد علی خان صاحب سے مشورہ کرتے ہوں گے زیادہ تر مجھے
جگر صاحب سے سابقہ پڑتا تھا میں سیاست میں کبھی بھی سب ایڈیٹر
نہیں رہا۔ میرے ذمہ صرف شعر و شاعری کا شمع تھا لیکن جگر صاحب کبھی کبھی
مجھ سے رپورٹر کا کام بھی لیا کرتے تھے اور کبھی نثری کلام بھی تفویض کرتے تھے
سیاست اخبار کے بارے میں جو کچھ میں نے لکھا وہ سب کچھ اپنی معلومات و
مشاہدات کی بنیاد پر ضبطِ تحریر میں لایا ہے۔ سیاست اخبار سے میری
اوٹ وابستگی شہر کے بعض شاعروں، ادیبوں کے لئے حدودِ جلن کا باعث
ہی۔ اداۃ سیاست سے میرا تعلق انہیں ایک آنکھ نہیں بھالتا تھا
وہ چاہتے تھے کہ میرا سیاست سے تعلق باقی نہ رہے۔ بے شمار شکایتیں
کی جاتی جو سب کی سب دروغ گوئی پر مشتمل رہتی تھیں۔ لیکن جگر صاحب
ٹس سے مس نہیں ہوتے تھے انہیں یقین کامل تھا کہ میں سیاست کے
مفاد کے خلاف کچھ بھی نہیں کرتا۔ انہیں مجھ پر بھرپور اعتماد تھا ایک دفعہ
ان حالات کی روشنی میں کچھ شاعروں اور ادیبوں کی موجودگی میں انہوں نے
کہا تھا کہ "نیر کو میں نے اتنا تباہ کیا ہے کہ وہ کند بن گئے ہیں" مجھ سے

کچھ جھوٹے والے جھوٹے رہتے ہیں تم اپنا کام کیا کرو اور کچھ تم سے
 جلتے ہیں، حد کرتے ہیں۔ سیاست سے وابستگی کی وجہ سے اچھے خاصے
 لوگ بھی محض جلتے اور حد کی وجہ سے آج تک بدگمان ہیں اور سمجھتے ہیں کہ میں
 ان کے اور اخبار سیاست کے درمیان حائل ہوں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے
 میں سیاست اخبار سے ہمیشہ دیانت دار رہا اور دیانت دار ہوں۔ یہی وجہ
 ہے کہ ۱۹۵۹ء سے آج تک اپنی پُر وقار وابستگی پر فخر محسوس کرتا ہوں۔

جگر صاحب میری بے حد قد کرنے تھے۔ ہمیشہ مجھ سے اپنے چھوٹے بھائی جیا
 سلوک کرتے تھے اور میں نے بھی ہر وقت اپنے پورے خلوص و وفاداری کا
 ثبوت دیا۔ سیاست سے وابستہ ہونے کے بعد شہر اور بیرون شہر کے
 اہم اہم دانشوروں سے میرے مراسم پیدا ہوئے۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے
 کہ میں نے اپنے رکھ رکھاؤ اور اپنے وقار کو متاثر ہونے نہیں دیا۔ جگر صاحب
 ہوں کہ عابد علی خان صاحب خاص طور پر باہر کے شاعروں، ادیبوں سے میرا
 تعارف بہت ہی عمدگی اور میری پوری پہچان کے ساتھ کرواتے تھے جس سے
 سامنے والے کو اندازہ ہوتا تھا کہ عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کی نظروں

میں میرا کیا مقام ہے سیاست اخبار کا سارا انتظامیہ جگر صاحب کی
 زیر نگرانی کام کرتا رہا۔ عابد علی خان صاحب کبھی کبھی جگر صاحب کے اختیارات
 میں مداخلت نہیں کی۔ جگر صاحب نے جو کچھ کیا۔ سیاست کے لئے اور
 عابد علی خان کی بھلائی کے لئے کیا۔ جگر صاحب عابد علی خان صاحب کے گھر ہی
 میں رہتے تھے۔ ایک چھوٹا سا پلنگ، ایک میز کرسی۔ میز کے رو برو بید کا

تین نشستوں والا صوفہ تھا۔ کمرہ میں دو بڑی الماریاں تھیں جن میں اردو انگریزی کی اہم اہم کتابیں تھیں۔ جگر صاحب عابد علی خان صاحب کے بڑے بھائی اور مثالی دوست کی طرح ساتھ رہے۔ گھر کے تمام افراد جگر صاحب سے بے حد محبت کرتے تھے گھر کے تمام افراد چچا کہہ کر مخاطب کرتے تھے اُن کی قدر و قیمت اور ان کی عزت و احترام میں کبھی کمی نہیں کی۔ جگر صاحب نے شہر حیدرآباد کے بہت سے اہل قلم حضرات و خوانین کی علمی و ادبی صلاحیتوں کو محسوس کرتے ہوئے سیاست اختیار کئے ذریعہ ان کو شہرت دلوائی۔ اُن کے مضامین شائع کئے اُن کی شاعری سیاست میں شائع ہوتی رہی۔ انہوں نے اپنی دن رات کی محنت سے سیاست اخبار کو اس قابل بنایا کہ معمولی ہو کر غیر معمولی اہل قلم سیاست میں اپنی تخلیقات کی اشاعت پر فخر محسوس کرتا تھا۔ جگر صاحب اور عابد علی خان صاحب کی سرپرستی نے ہی مجھے اس قابل بنایا ہے کہ آج شعروادب کے میدان میں میں اپنی شناخت رکھتا ہوں۔ سیاست میں میری بے شمار غزلیں، انگریزی، پنجریز، تبصرے اور مضامین شائع ہوتے رہے۔ جگر صاحب مختلف نوعیت کے ادبی کام مجھ سے لیتے اور الحمد للہ میں اپنے فرائض منصبی کی تکمیل میں بھی کوتاہی نہیں کی۔ تمام ادبی دنیا جگر صاحب کے نام اور ان کے کام سے واقف ہے، جگر صاحب نہایت سیکولر، کھلے دل و دماغ کے انسان تھے، انہوں نے حیدرآباد حیدرآبادی تہذیب اور یہاں کے ماحول سے اپنے آپ کو وابستہ کر لیا تھا اور تادم حیات وابستہ رہے۔ نہایت اعلیٰ ظرف، بلند مرتبت شخصیت کے

حاصل تھے۔ جگر صاحب نے اپنی اور سیاست کی معرفت، شہر کی شعری وادب
 علمی و فلاحی، تہذیبی و ثقافتی غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں جس کی
 شاعر یا ادیب میں نفوذ بھی سمجھنے کی صلاحیت ہوتی تو اس کی سرپرستی
 کرتے تھے۔ بعض نئے لکھنے والوں کو عنوانات دے کر کھواٹے تھے۔

جگر صاحب نے حیدرآباد میں اردو ہندی کے خوشگوار ماحول کو ہمیشہ برقرار
 رکھا۔ ہندی شاعروں، ادیبوں کے علاوہ تلگو کے قلم کاروں کی تخلیقات
 بھی شائع کیں۔ دیگر زبانوں کے شاعروں، ادیبوں کی بھی سرپرستی کی
 جگر صاحب نے سیاست میں نظم و ضبط کو پوری توجہ کے ساتھ برقرار رکھا
 سیاست میں جگر صاحب کی بدولت جو نظم و ضبط تھا اس کی غیر معمول
 شہرت آج بھی ہے۔ جگر صاحب بے حد رحم دل، رقیق القلب اور نیک
 انسان تھے۔ ہر روز صبح تلاوت کلام پاک کرتے تھے فجر کی نماز بھی ناغہ
 نہیں ہوتی تھی انہوں نے اپنی زندگی میں بہت سے ضرورت مندوں کی اس
 طرح مدد کی کہ دایں ہاتھ کی بائیں ہاتھ کو خیر نہیں ہوتی تھی۔

اس فنقرے مضمون میں جگر صاحب کی شہیدانہ خدمات کی وضاحت

احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے میں نے جتنی باتیں کہی ہیں وہ سب کی سب
 سائبان (محبوب حسین جگر ۱۹۹۸ء) میں درج ہیں۔ جگر صاحب مجھے
 اکثر دُعا کے ساتھ یاد آتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ رب العالمین
 اپنے اس نیک بندہ پر خاص مہربان ہوگا۔ جگر صاحب جیسے لوگ
 برسوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔ ہر مشکل وقت میں جگر صاحب بہت سوں کے

کام کرتے رہے۔ بیسیوں واقعات ایسے ہیں جو ناقابل فراموش ہیں
 مگر صاحب کی تعریف و توصیف کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ میں اپنے
 آپ کو بے حد خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ مجھے جگر صاحب اور غاید علی خان
 صاحب جیسی نامور شخصیتوں کی سرپرستی حاصل رہی۔ آج میں جس مقام
 پر ٹھہرا ہوں وہ انہیں شخصیتوں کے بدولت ہے۔ یہ دونوں شخصیتیں
 میری ذہنی تربیت اور میری شخصیت کی نشوونما میں ہمیشہ دلچسپی لیتی رہیں
 میں تا حیات ان کا احسان مند رہوں گا۔

ڈاکٹر حسینی شاہد

(ممتاز ماہر تعلیم شفیق استاد تلاموز ادیب)

بین کلیاتی اردو فیڈرل (۱۹۵۹ء) کے سلسلے میں انتخابات کی تیاریاں
 زور و شور سے جاری تھیں۔ ایک شام صدر بزم اردو آرٹس کانگریس (پنجاب عثمانیہ)
 مسعود مین اور محمد بزم اردو سیف آباد سائینس کالج الطاف حسین مجھ سے
 ملنے کے لئے اُردو فیڈرل آرڈر کلک ہوئے۔ الطاف حسین نے مجھ سے خواہش کی کہ
 میں بین کلیاتی اردو فیڈرل کے عہدہ صدارت کے لئے مسعود مین کو ووٹ دل
 جاں اس وقت اُردو فیڈرل آرڈر کانگریس کی بزم اردو کا صدر تھا۔ بین کلیاتی اردو
 فیڈرل کا یہ طریقہ کار تھا کہ شہر کے تمام کالجس کے صدر بزم اردو اپنی اپنی
 پسند کے ایک امیدوار کو صدر بین کلیاتی اردو فیڈرل منتخب کرتے تھے
 اُن دونوں کی واپسی کے بعد استاذ المحترم ڈاکٹر حسینی شاہد نے مجھ سے کہا کہ
 تم خود کیوں صدارتی امیدوار کی جی... سے میدان میں نہیں اُترتے۔ ڈاکٹر
 صاحب کا مشورہ اچھا تھا لیکن یہ مشورہ میرے لئے موزوں نہیں تھا اس

لئے کہ میں انتخابات کی ہنگامہ آرائیوں سے بہت دور رہنا چاہتا تھا۔
 ڈاکٹر حسینی شاہد میرے بہترین استاد تھے۔ بی او ایل کے طلباء کو تنقید
 پڑھاتے تھے پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد کالج کے پرنسپل تھے۔ میری ہی
 نہیں ڈاکٹر حسینی شاہد صاحب کی بھی یہ خواہش تھی کہ شہر کے تمام کالجس
 کے مقابلے میں اورینٹل اردو کالج کی علمی، ادبی و تہذیبی سرگرمیاں کچھ
 زیادہ ہی عروج پر رہیں۔ ڈاکٹر صاحب اورینٹل اردو کالج کی بزم اردو
 کے مشیر تھے۔ میں ان کے بہترین شاگردوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ میرے
 دل میں یہ بات جاگزیں تھی کہ اورینٹل اردو کالج کا نام مختلف تہذیبی و
 ادبی سرگرمیوں کے ساتھ روشن رہے۔ چنانچہ میں اپنے اساتذہ کی
 سرپرستی اور اپنے رفقاء اے کار کے تعاون سے آٹھ دن کچھ نہ کچھ ادبی سرگرمیوں
 کے لئے راہ فراہم کرتا رہا۔ اورینٹل اردو کالج کی بزم کی جانب سے بنی کلماتی
 تحریری و تقریری و بیت بازی کے مقابلے ہونے لگے تھے تحریری اور تقریری مقابلوں
 اور بیت بازی کے لئے بھی میں ممکنہ تعاون پیش کرتا۔ محفل شعریہ و
 سخن کا بھی اہتمام ہوتا تھا۔ محفل شعرا و ادبی و تہذیبی پروگرام بھی اسی سلسلہ میں جاتے۔
 جی میں نے بی او ایل سال اول میں داخلہ لیا تو اس وقت پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد
 اورینٹل اردو کالج کے پرنسپل تھے۔ اساتذہ میں ڈاکٹر حسینی شاہد، ڈاکٹر
 زینت ساجدہ، ڈاکٹر معنی نسیم، منظور احمد، سعادت نظیر بھی شامل تھے۔
 بزم اردو اورینٹل اردو کالج کے انتخابات میں، میں بلا مقابلہ صدر بزم اردو
 منتخب ہوا۔ یاسم ہاجر کا سکرٹری کی حیثیت سے انتخاب عمل میں آیا۔ میں

نے بزمِ اردو کی سرگرمیوں کو تیز تر کر دیا تھا۔ شاہد صاحب بہت خوش ہوتے تھے اور وہ بیکر اردو کالج میں دوسرے اساتذہ کی طرح ڈاکٹر صاحب بھی اعزازی طور پر خدمت انجام دیتے تھے۔ تمام اساتذہ کے پڑھانے کا انداز جدا تھا۔ ننھا۔ پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد کی کلاس بڑی دلچسپ رہتی تھی۔ شعری ادب کے علاوہ انگریزی ادب کی کلاس میں بھی لیتے تھے۔ ظفر صاحب ہمیشہ ہنسنے ہوئے پکچر دیا کرتے تھے بلکہ پوری کلاس میں گرجا کرتے ہوئے پڑھاتے تھے۔ دورانِ پکچر عمدہ لطائف سناتے تھے۔ ہم طلباء سے کبھی کبھی شعر سناتے تھے۔ اردو کالج میں میرے ہم جماعت ایک حافظ صاحب بھی تھے۔ ظفر صاحب کی خواہش پر ایک دفعہ محفلِ شعر منعقد ہوئی تھی۔ حافظ صاحب نے کہا کہ سرا میں بھی کچھ شعر سنانا چاہتا ہوں۔ ظفر صاحب نے فرمایا ضرور برخوردار۔ حافظ صاحب نے کہا رباعی پیش ہے رباعی پر ظفر صاحب چونک گئے۔ حافظ صاحب نے پہلا مصرع سنانا جو ساقط البحر تھا دوسرا مصرع سنانا وہ بھی ساقط البحر تھا۔ تیسرا مصرع بھی وزن سے گرا ہوا تھا اور چوتھا مصرع بھی وزن سے خارج تھا۔ حافظ صاحب ایک الگ پانچ پر بیٹھے ہوئے تھے ظفر صاحب ان کے قریب پہنچے اور کان پکڑ کر کہا برخوردار! یہ رباعی ہے؟ کس نے کہا انہیں شاعری کرنے کے لئے۔ کان پکڑ لو۔ تو بہرہ اور قسم کھاؤ کہ شاعری انہیں نہ کرو گے۔

ڈاکٹر حسینی شاہد ترقی پسند ادیب تھے انہیں ترقی پسند مصنفین جبر اکبار سے انہیں کافی دلچسپی رہی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نرجس ہلی دفعہ

انجمن ترقی پسند مصنفین کا احیاء کیا تو میر حسن صدر ڈاکٹر حسینی شاید معتمد اور ناصر کرنل شریک معتمد تھے۔ لیکن انجمن زیادہ عرصہ تک سرگرم عمل نہ رہ سکی پھر ابس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے انجمن کا دوبارہ احیاء کیا۔ اردو ہال میں شاعروں، ادیبوں کو مدعو کیا۔ اڈھاک کمیٹی بنائی گئی۔ اجلاس میں راشد آذر کو معتمد انجمن مجھے اور نصرت محی الدین کو شریک معتمد منتخب کیا گیا۔ اڈھاک کمیٹی بننے کے کچھ ہی دن بعد باضابطہ انتخابات ہوئے جس میں اڈھاک کمیٹی کے عہدہ دار ہی اپنے اپنے عہدوں پر دو سال کے لئے منتخب کیے گئے۔ انجمن کے جلسے پہلے اردو ہال میں ہوتے رہے۔ کچھ جلسے اسٹیٹ بینک آف حیدرآباد کے ٹیلیگراف ہال میں ہوتے رہے۔ بعد میں ہنری مارش انیسٹیوٹ میں ہونے لگے۔ میں تقریباً چھ برس تک شریک معتمد رہا۔ طریقہ کار کے مطابق ڈاکٹر راج بہادر گوڑ انجمن کے عہدہ داران و ارکانِ عالمہ کا پینل پیش کرتے تھے انجمن کے احیاء کے بعد صدر کے عہدہ پر عاتق شاہ اور نجمہ نکمت فائزر رہے جب تک راشد آذر اور میں انجمن سے وابستہ رہے نہایت پابندی کے ساتھ انجمن کے جلسے ہوا کرتے تھے۔ ڈاکٹر حسینی شاید صاحب انجمن ترقی اردو کے سکریٹری کی حیثیت سے بھی نمایاں کام کرتے رہے۔ مولوی حبیب الرحمن انجمن کے صدر تھے حبیب الرحمن صاحب، ڈاکٹر حسینی شاید کو بی انتہا چاہتے تھے شاید صاحب بھی حبیب الرحمن صاحب کے لئے ہر کام کرتے تھے مولوی حبیب الرحمن صاحب نے پولیس ایکشن کے بعد حیدرآباد میں اردو کے تحفظ و بقا اسکے فروغ کے لئے اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھا رہا

آندھرا پردیش کے قیام کے بعد اردو کو اس کا مستحقہ مقام دلانے کے لئے
بے لگان خدمات انجام دیتے رہے۔ برسوں انجمن کے سکریٹری رہے۔ اس
زمانے میں نواب میر احمد علی خان صاحب صدر انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش
تھے۔ جناب بدلی خان، ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، ڈاکٹر سید عبدالمنان اور
سری نواس لاسہری کی رفاقت نے بھی انجمن کی سرگرمیوں کو فروغ دینے میں نمایاں
خدمات انجام دی ہیں۔ انجمن کی سرکردگی میں پہلے اردو اور نیشنل کالج اس کے
بعد اردو آرٹس کالج کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اُسی زمانے میں کالج آف ٹیکنالوجی
کا قیام عمل میں آیا۔ ہاشم حسن سعید جو بعد میں اس کالج کے پرنسپل رہے۔ کالج
کے معماروں میں سے ایک ہیں جس کو انہوں نے ناگفتہ بہ حالات کے باوجود اپنی
شہانہ روز کوشتوں سے کالج کو ترقی دی۔ یہاں یہ بات میں واضح کرتا چلوں
کہ کالج کے لئے سرکاری امداد کے حصول کے سلسلے میں وہ ہر پابندی سکریٹریٹ
آپا کرتے تھے اور جب بھی وہ مجھ سے ملا کرتے ہیں نے ان کی مدد کی۔ جس کسی
ڈپارٹمنٹ میں فائل جاتی وہاں انہیں میرا تیاؤن حاصل ہوتا تھا جس کی وجہ
سے ایک ایسے دور میں جبکہ حکومت نے کسی بھی تعلیمی ادارے کو امداد جاری
نہ کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا اس کالج کو امدادی کالج کے زمرہ میں شامل کر کے
مستقل بنیادوں پر گر انٹ جاری کی گئی۔ ہاشم حسن سعید کی کوششوں کی وجہ سے
کالج کو مستحکم حیثیت حاصل ہوئی۔ مولوی حبیب الرحمن نے اردو حال اور نیشنل
اردو کالج اور اردو آرٹس کالج کی عمارتوں کے لئے اپنی ذاتی زمین عطا کی جہاں
پر واقع عمارت اب گلشن حبیب کے نام سے موسوم ہے حبیب الرحمن صاحب یکتا

منتقل ہونے سے پہلے اردو حال کی عمارت کے ایک حصہ میں جہاں انیسویں سولہ
 بلاک ہے سکونت پذیر تھے۔ اردو مجلس کے سکریٹری کی حیثیت سے مجھے مولوی
 حبیب الرحمن صاحب کی بھرپور سرپرستی حاصل رہی۔ میں اردو مجلس کا ۸ برس
 تک مستند رہا۔ حبیب الرحمن صاحب اردو مجلس کے صدر تھے۔ ان کے بعد ڈاکٹر
 حسینی شاہد صدر رہے۔ ان کی زیر نگرانی اردو مجلس کے پروگرام کی صورت گویا
 کی جاتی تھی۔ حسینی شاہد صاحب نے انجمن ترقی اردو اور نیشنل اردو کالج اور
 اردو آرٹس کالج کی سرگرمیوں کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ اردو آرٹس
 کالج کے لئے جب مالیہ کا بحران پیدا ہوا تو عابد علی خان صاحب نے جو اس وقت
 انجمن کے نائب صدر تھے۔ ادبی ٹرسٹ کے مشاعرہ کی آمدنی میں سے زائد ازا ایک
 لاکھ روپیہ اردو آرٹس کالج کے لئے دیا تھا۔ وہ بہت بڑا مشاعرہ تھا جسے صاحب
 ملک بھر کے نامور شاعروں نے شرکت کی تھی۔ اس مشاعرہ میں میں بھی مدعو تھا
 حسن اتفاق سے میری غزل بہت پسند کی گئی۔ جب میں کلام سن کر بیٹھ گیا تو
 استاد المحترم ڈاکٹر حسینی شاہد نے میری بیٹھ تھمکتے ہوئے مبارکباد دی۔ ڈاکٹر
 صاحب کی خواہش پر میں نے انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام منعقدہ اضلاع کے کئی
 مشاعروں میں شرکت کی ہے وہ اضلاع کے مشاعروں میں لازماً مجھے مدعو کرتے
 تھے سری نواس لاہوری شریک معتمد انجمن اُن کے رفیق کار تھے ڈاکٹر صاحب
 انی زمین (حیدر آباد) سے بے انتہا محبت کرتے تھے ڈاکٹر مسید محمدی الدین قادری
 زور کی طرح حیدر آبادیت ان کے جسم و جاں کا ایک اہم حصہ بنی ہوئی تھی
 ڈاکٹر صاحب نے بدرو کا کالج میں بھی بہ حیثیت لکچرار کام کیا۔ بیئیر صحافت

سے بھی ان کا تعلق رہا۔ شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ سے زیرِ نگرانی ڈاکٹر مسعود حسین خان
 صاحب صدر شعبۂ اردو پی ایچ ڈی کے لئے مقالہ لکھا تھا۔ امین الدین علی اعلیٰ
 حیات اور کارنامے کے زیرِ عنوان ڈاکٹر پیٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ان کا یہ
 مقالہ کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کتاب کی کتابت مشہور خوشنویس
 عارف الدین نے کی تھی۔ عارف صاحب کا بیان ہے کہ کتابت کی اجرت
 کے سلسلے میں کبھی بھی ڈاکٹر صاحب نے اجرت کا تعین نہیں کیا۔ مقررہ اجرت
 سے بڑھ کر وہ معاوضہ دیتے تھے۔ ایسے معاملات میں بھی وہ نہایت فراخ دل
 و افح ہوئے تھے وہ سچے اور کھرے انسان تھے تاجیات، انجمن ترقی اردو کے
 سکریٹری کی حدیث سے اعزازی طور پر کام کرتے رہے ان کے انتقال کے بعد
 عبد الرحیم خاں شریکِ معتمد انجمن، انجمن ترقی اردو کے سکریٹری منتخب ہوئے
 ڈاکٹر سید عبدالمنان اس وقت انجمن کے صدر ہیں اور جناب عبدالرحیم خاں
 صاحب معتمد۔ ڈاکٹر حبیبی شاہد کی شریکِ حیات نامور صاحبِ طرزِ ادیبہ
 ڈاکٹر زینت ساجدہ کی رفاقت نے ڈاکٹر صاحب کا بہت زیادہ ساتھ دیا۔
 ان دونوں دانشوروں اردو زبان و ادب کو بہت کچھ دیا ہے بی او ایل میں
 ایچ بی آریشن کے ساتھ کامیابی حاصل کرنے کے بعد میں نے ایم او ایل میں داخلہ لیا
 جب میں مشاعروں کے سلسلے میں زیادہ مصروف رہتا تو شاہد صاحب فرماتے کہ
 ایم او ایل کا امتحان بہت مشکل ہوتا ہے محنت کا طالب رہتا ہے اگر تم مشاعروں
 میں الجھنے رہو گے تو کامیاب نہ ہو سکو گے۔ میں نے اپنے استاد المحترم کو یقین
 دلایا کہ میں آپ کی دعاؤں اور اپنی محنت کے طفیل ضرور کامیاب ہو جاؤں گا

الحمد للہ میں امتحان میں اچھے نمبرات کے ساتھ پاس ہو گیا۔ ایم او ایل میں میری استاد نامور طنز و مزاح نگار پروفیسر حبیب ضیاء بھی تھیں۔ بین کلیاتی اردو فیسٹول کے سارے اجلاس پروفیسر عبدالقادر سروری صدر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کے دولت خانہ واقع حمایت نگر میں ہونے سے مختلف کالجس کے صدر و معتمدین اجلاس میں شرکت کرتے تھے۔ سروری صاحب کی زیر نگرانی ایک اجلاس میں مجھے بین کلیاتی اردو فیسٹول کا بلا مقابلہ معتمد شاعر بنایا گیا۔ اردو فیسٹول (۱۹۵۹ء) سے پہلے پروفیسر سروری کی رہائش گاہ پر منعقدہ مشاعروں میں شہر کے نامور شاعروں کے ساتھ ساتھ میں بھی شریک رہا کرتا تھا۔ بعض مشاعروں کی میں نے نظامت بھی کی ہے۔ اُس زمانے میں مشاعرہ کی کارروائی چلانے والے کو معتمد شاعر کہا جاتا تھا کہ ناظم مشاعرہ۔ اُن محفلوں میں ڈاکٹر مصطفیٰ کمال (طالب علم سائنس کالج) کے علاوہ ابو الفیض سحر بھی موجود رہتے تھے۔ ابو الفیض سحر اُن دنوں ایک رسالہ ”فضاء“ کے نام سے شائع کرتے تھے۔ جامعہ عثمانیہ سے اردو میں ایم اے کر رہے تھے۔

نظام کالج گراؤنڈ میں اردو فیسٹول کی تقاریب منعقد ہوتی تھیں اردو فیسٹول ۱۹۵۹ء کے مشاعرہ کی صدارت شاہد صدیقی صاحب نے کی تھی منظور احمد منظور مشاعرہ کمیٹی کے مشیر تھے اپنے انداز کا وہ ایک آخری فیسٹول تھا۔ پروفیسر معقوب تبسم، محفل موسیقی کے مشیر تھے محفل موسیقی میں حصہ لینے کے لئے مجھے جب میرے بعض احباب نے مشورہ دیا تو معقوب تبسم صاحب نے فرمایا تھا تم شاعر ہو گلوکار نہیں تم اکثر نغمہ میں کلام سنانے ہو تمہارا

تو تم اچھا ہے نرم سے ہی کلام سناتے رہو۔ ڈاکٹر حبیبی شاہد صاحب اردو
 کلج کی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں کا بہ غور جائزہ لیتے تھے نظام کلج میں
 بین کلیاتی مقابلہ شعرو سخن ہوا تھا جس میں میری غزل کو انعام اول کا مستحق
 قرار دیا گیا۔ اور مجھے سببید سجاد شیلڈ دی گئی۔ شاہد صاحب میری کامیابی
 پر بے حد خوش ہوئے۔ اُس وقت کے مقابلے میں ڈاکٹر اشرف رفیع صاحب مجید
 طالب خوند میری اور سعید علی خیال بھی تھے۔ اردو مجلس کی میری معتمدی کے
 آخری زمانے میں بھی شاہد صاحب کی یہ خواہش رہتی کہ اچھے اچھے ادبی سرگرم
 ترتیب دیجئے جاتے رہیں۔ ہر ماہ کے پروگرام کے سلسلے میں شاہد صاحب
 کا مشورہ مجھے حاصل ہوتا۔ شاہد صاحب اجلاس کے آخر تک تشریف لکھتے۔
 اب اُس طرح کے اساتذہ کا ذکر آتا ہے تو وہ دور آنکھوں میں دیدہ پر ہم
 کی طرح تھماتا ہے اور وہ سب ایک خواب سا نظر آتا ہے۔

بھارت چند کھنہ

ممتاز طنز و مزاح نگار، مہذب انسان

ایک ایسے دور میں جب سارا معاشرہ ہی انتشار کا شکار ہوا ہو اور ایک ایسے دور میں جب ایک دوسرے پر بے اعتمادی اٹھ گیا ہو تو ایسے حالات میں شریف لوگوں کی تلاش ایک مشکل مسئلہ بن جاتی ہے پھر بھی بعض لوگ اس قدر پاک و صاف اور سیدھے سادے ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی میں کسی بھی قسم کا بھید بھاؤ نہیں ہوتا۔ اگر کوئی مجھ سے یہ پوچھے کہ اس طرح کے کچھ برسوں پہلے تک کون کون ایسے لوگ تھے جنہیں شرافت، مروت، ہمدردی اور رواداری کا پیکر کہا جاتا تھا تو میں اپنے تعلقات و تجربات کی بناء پر بلا نا مل ممتاز طنز و مزاح نگار بھارت چند کھنہ صاحب کا بھی نام لوں گا جہاں کہیں بھی بکھے ہوئے، مقبر لوگوں کا ذکر ہو گا وہاں بھارت چند کھنہ کا نام بھی لیا جائے گا۔ شہر کا ادبی و تہذیبی حلقہ کھنہ صاحب کی ادبیانہ شان و شوکت اور ان کی تحریروں کی اہمیت سے واقف ہے۔ بھارت چند کھنہ

حیدرآباد کی اُن باوقار وقایع و ذرّہ خفینوں میں سے ایک تھے جن سے گفتگو کرتے ہوئے ایک طرح کی مسرت محسوس ہوتی تھی۔ میں کھنہ صاحب کی بے حد عزت کو سمجھتا تھا آج بھی جہاں کہیں اُن کی بات نکلتی ہے تو دل کی گہرائیوں سے ان کی شرافت اور ان کی عظمتوں کو خراج پیش کرتا ہوں۔ کھنہ صاحب حیدرآباد کے ایک اعلیٰ کاسٹنگ گھرانے کے چشم و چراغ تھے اردو ادب کی دنیا میں انہوں نے اپنی شگفتہ طریقہ، مزاج و وطن پرستہ تجربوں سے اپنی شناخت بنائی تھی۔ بہت ہی عمدہ طنز و مزاح نگار تھے آج سے ۵۰ برس پہلے زندہ دلاں حیدرآباد کا قیام عمل میں آیا تھا ۱۹۶۶ء میں زندہ دلاں کی پہلی کل ہند کانفرنس حیدرآباد میں منعقد ہوئی تھی جس میں ملک بھر کے بڑے بڑے دانشوروں کا خاص طور پر شرکت حیدر فرقت کاکوری، دلاورنگار، یوسف ناظم، احمد جمال پاشا، سرور جمال پاشا، سلمیٰ صدیقی اور دیگر مشاہیر نے شرکت کی تھی وہ نہایت یادگار کانفرنس رہی۔ اس موقع پر ناصر کرنولی کی ادارت میں شائع ہونے والے ادبی رسالہ پونم کا خاص نمبر شائع ہوا تھا مجلس عاملہ نے مجھے رابطہ کمیٹی کا صدر نشین نامزد کیا تھا محبتی احسن جنرل سکریٹری تھے اس کانفرنس کے روح رواں تھے ان کے علاوہ کاکمر مصطفیٰ کمال، ناصر کرنولی، حفیظ قیصر اور دیگر ارکان نے اپنا بھرپور تعاون دیا تھا تمام عہدہ داران اور ارکان نے اپنی اپنی ذمہ داریوں کو سلیقے سے نبھایا تھا۔

بھارت چند کھنہ صاحب سکریٹریٹ میں محکمہ جنرل اڈمنسٹریشن میں

ڈپٹی سکریٹری تھے کھنجر لیسر کی حیثیت سے بھی انہوں نے خدمات انجام دیں۔ گورنر آندھرا پردیش کے سکریٹری بھی رہے۔ میں بھارت چند کھنہ صاحب کی شخصیت، شرافت اور ان کی تحریروں سے متاثر تھا آج سے ۳۲ برس پہلے پاسپورٹ کی اجراء کے سلسلے میں متعلقہ فارم کے اندراجات پر کسی ڈپٹی سکریٹری کی تصدیق ضروری تھی۔ کھنہ صاحب نے اپنے عہدہ سے بہت سوں کو فیض پہنچایا۔ ادبی رسالہ خاتونِ دکن شائع ہوا تو میں اس رسالہ کا مدیر اعزازی تھا مضامین کی حصول کے سلسلے میں کھنہ صاحب سے ملاقات ہوتی تھی۔ کھنہ صاحب کے مضامین "سیاست" میں بھی اہتمام کے ساتھ شائع ہوتے تھے شہر اور بیرون شہر کے ادبی حلقے کھنہ صاحب کی مزاحیہ تحریروں سے مانتوس تھے۔ کھنہ صاحب کے طنز و طرافت کے موضوع پر مضامین کا مجموعہ "نیر نیم کش" پہلی کٹنا ادارہ ادبیاتِ اردو کے زیر اہتمام "ڈراما سکرادو" کے نام سے کتاب شائع ہو چکی ہے۔ پاسپورٹ فارم کے اندراجات کی تصدیق کے سلسلے میں کھنہ صاحب مجھ پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ میں نے کئی نوجوانوں کے پاسپورٹ فارم پر کھنہ صاحب کی تصدیق حاصل کی ہے کھنہ صاحب جس زمانے میں سکریٹری گورنر آندھرا پردیش تھے اُس وقت میں بھی راج بھون میں اُن سے ملاقات کرتا تھا ایک نوجوان سکریٹریٹ میں مل کر مجھ سے تعاون کی خواہش کی۔ میں اس نوجوان کو اپنے ہمراہ لے کر راج بھون پہنچا۔ میں نے اپنا وزیٹنگ کارڈ بھیجوا یا۔ کھنہ صاحب

دروازہ تک آئے مجھے لینے کے لئے اور کہا کیسے آنا ہوا۔ میں نے کہا ایک
 نوجوان کے پاسپورٹ فارم پر آپ کی تصدیق درکار ہے۔ میں نے فارم پیش
 کیا اور کہا کہ وہ لڑکا وزیر ممبر روم میں بیٹھا ہوا ہے آپ کہیں تو بیلوا لوں؟
 کھنہ صاحب نے فرمایا اس کی ضرورت نہیں ہے آپ آئے ہیں بھی کافی
 ہے۔ میں چاہتا تھا کہ کھنہ صاحب متعلقہ نوجوان کو ایک نظر دیکھ لیں
 لیکن انہیں مجھ پر اعتبار تھا کہ میں کبھی غلط سفارش نہیں کرنا۔ کھنہ صاحب
 نے نہ جانے کتنے اہل عرض حضرات کے ساتھ اس طرح کا تعاون کیا ہوگا۔
 بھارت چند کھنہ صاحب جس زمانے میں محکمہ R.T.O کے کمشنر تھے اُس وقت
 بھی انہوں نے ایک شخص کی جنرل ایڈمنسٹریشن صاحب کی سفارش پر بھرپور مدد
 کی تھی جو اپنی ملازمت کی بعض الجھنوں سے بے حد پریشان تھا۔ کھنہ صاحب
 سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کے صدر بھی رہے۔ سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن
 کے قیام سے پہلے سکریٹریٹ میں کوئی اُردو انجمن نہیں تھی۔ بھارت چند کھنہ
 صاحب سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کے پہلے صدر تھے۔ میں نے صدارت
 کے عہدہ کے لئے فون پر ان کچھ رفاہی حائل کی تھی۔ ہوا یوں تھا کہ
 سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کے قیام کا جب وقت آیا تو میری نظر عہدہ
 صدارت کے لئے کھنہ صاحب پر پڑی۔ سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کا قیام بھی
 ایک کوشش سے کم نہ تھا۔ اُس زمانے میں آل انڈیا ریڈیو (اُردو سیکشن کے
 ارباب مجاز نے شہر کی ادبی انجمنوں کے لئے ورائٹی پروگرام کا آغاز کیا تھا
 میں اپنے کلام شاعر پروگرام کی ریکارڈنگ کے لئے آل انڈیا ریڈیو گیا تھا۔

اُردو سکشن کے پروگرام اگر بکلیٹو مسٹر پانتر سے میرے دو سنانہ مرا سم تھے اُس وقت دوران گفتگو انہوں نے کہا سکرٹریٹ میں اُردو سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے اُردو پروگرام دیا جاسکتا ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ کوئی اسکی ایجن ہیکنٹر اکٹ فارم اسکی ایجن کے نام روانہ کیا جائے گا۔ مسٹر پانتر کے مشورہ کو رو بہ عمل لانے کے لئے میں نے اپنے محکمہ (سینا سیت راج ڈپارٹمنٹ) کے ساتھیوں، خواجہ بہاؤ الدین، افضل حسین، عظیم الدین بی این ماسٹر اور سپہیا کر کے علاوہ عباس ہاشمی (محکمہ تعلیمات) سے مشورہ کیا اور انجن کے قیام کا فیصلہ کر لیا۔ میری تحریکات تمام ساتھیوں نے حیرت منگ کیا۔ اور میں کسی طرح آل انڈیا ریڈیو سے پروگرام حاصل کرنا چاہتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ یہ گفتگو پنجے دوران ہوم ڈپارٹمنٹ کے لٹریچر واقعہ ہزار پر ہوئی تھی پنجے کے بعد اپنے احباب کی اجازت کے بعد D. W. P. کے ایک سکشن میں پہونچا اور وہاں سے میں نے بھارت چند کھنہ کو فون کیا۔ وہ راج بھون میر، سکرٹری گورنر کے عہدہ پر فائز تھے۔ انجن کے قیام کے بارے میں بتلایا میری خواہش پر انہوں نے اسکی ایجن کی صدارت کا عہدہ قبول کیا۔ اسی طرح فون پر ہی میں نے مشہور کرکیر غلام احمد صاحب اسٹنٹ سکرٹری اور رشید قریشی صاحب اسٹنٹ سکرٹری سے گفتگو کی اور انھیں نائب صدر کے عہدہ کے لئے آمادہ کر لیا۔ احباب نے مجھے جزیل سکرٹری اسکی ایجن منتخب کیا۔ انجن کا نام سکرٹریٹ اُردو اسکی ایجن رکھا گیا۔ کھنہ صاحب جب تک زندہ رہے اسکی ایجن کے صدر رہے۔ اُن کے زمانے میں اسکی ایجن کے

بے شمار ادبی جلسے و مشاعرے ہوتے رہے۔ کھنہ صاحب اس قدر نفیس انسان تھے کہ وہ میری ہر نحویز کو پسند کرنے لگے لیکن میں اسوسی ایشن کے تمام پروگرام اس غلام احمد صاحب، رشید قریشی صاحب اور دوسرے ارکان اعلیٰ ایشن کے مشوروں سے ہی ترتیب دیتا تھا۔ سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کی سرگرمیوں کو تمام اردو حلقے فزکری نگاہوں سے دیکھتے تھے بعد میں جب تک میں سکریٹریٹ میں رہا نہایت اہتمام کے ساتھ سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کی سرگرمیاں جاری رہیں۔ وظیفہ حسن خدمت پر علیحدگی کے بعد بھی ایک عرصہ تک عملاً اسوسی ایشن کی سرگرمیوں کو فروغ دینے میں دلچسپی لیتا رہا۔ سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے پہلے سرپرست جناب یس لے قادر چیف سکریٹری حکومت آندھرا پردیش تھے اور ان کے بعد اڈیشنل چیف سکریٹری رائے کنج بہاری محل سرپرست رہے اور ان کے بعد چیف سکریٹری شریو ن کار سرپرست اسوسی ایشن بنے پہلے صدر بھارت چند کھنہ تھے ان کے بعد مختلف اوقات میں غلام احمد صاحب یس لے واسح صاحب، صادق احمد صاحب اور سید نواب الحسن صاحب صدر رہے۔ میں قیام انجن سے وظیفہ حسن خدمت تک اور اس کے بعد بھی جنرل سکریٹری رہا۔ کھنہ صاحب کو اردو زبان اور تہذیب سے غیر معمولی دلچسپی تھی کھنہ صاحب لٹریچر یوٹھ ٹورٹز یوٹھل کے سربراہ جو کھنہ صاحب کے دوست تھے انھیں رٹز یوٹھل کے شعبہ استقامیہ کا انچارج مقرر کیا تھا کھنہ صاحب سے ملاقات کے لئے میں رٹز یوٹھل بھی جاتا تھا مابینا مہ خاتون دکن کے لئے مضامین حاصل کرتا تھا صاحب بھی میں ان سے ملاقات

سے ہوئی پہونچتا۔ فی الفور بلوانے چائے بسکٹ سے تواضع کرتے
 کھنہ صاحب وضع داری اور وداری میں اپنی آپ مثال تھے اسلئے دیکھیں
 جب اردو اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا تو کھنہ صاحب سکریٹری بنے۔ حکومت
 آندھرا پردیش نے جناب آصف پاشاہ وزیر قانون کو صدر کے عہدہ پر اور
 جناب عابد علی خان صاحب مدیر سیاست کو صدر نشین مجلس عاملہ نامزد کیا
 وہ زمانہ مسٹر وینگل راؤ کی چیف منسٹری کا تھا سکریٹری کے قریب ہی
 آفس کے روبرو عمارت میں اکیڈمی کا دفتر تھا کچھ مہینوں کے بعد جناب آصف
 پاشاہ کی سرکاری رہائش گاہ ریڈ ہلز میں دفتر منتقل ہو گیا۔ عابد علی خان صاحب
 دوپہر گھر جانے سے پہلے کچھ دیر کے لئے اکیڈمی کے آفس جاتے اور ضروری
 کاغذات پر توجہ دے کر دیتے۔ پھر عابد علی خان صاحب ۴ بجے شام سیاست آفس
 آ جلتے تھے عابد علی خان صاحب کا تقریباً یہ روز کا معمول تھا عابد علی خان
 صاحب کی خواہش یہ رہی کہ منسٹر نے کھنہ صاحب کا تقرر کیا تھا۔ جناب
 عابد علی خان صاحب کے مشورہ پر میں بھی کبھی اکیڈمی کے دفتر جا کر
 وہاں کے اسٹاف کی جو ۳، ۴ افراد پر مشتمل تھا آفس کے کام کے سلسلے میں
 رہنمائی کرتا تھا۔ کھنہ صاحب اپنی عمر کے آخری دنوں میں تقریباً گوشت نشین
 ہو گئے تھے محفلوں میں بہت کم شرکت کرتے تھے عابد علی خان صاحب سے
 بھارت چند کھنہ صاحب کے خوش گوار مراسم تھے سیاست کے ایک مشہور کالم
 "اچھے اشعار" پر انعامات کے بیج بھی رہے۔ شہر کے بعض مخصوص
 علمی و ادبی محفلوں میں شریک ہوا کرتے تھے وہ نہایت شائستہ انسان تھے

کھنہ صاحب کو ریس کھیلنے کا بہت شوق تھا لیکن اعتدال کے ساتھ اپنی آفیری کے زمانے میں ان کا سلوک اپنے ملازمین کے ساتھ نہایت عمدہ رہا۔ اپنے ماتحتین کے ساتھ نہایت مشفقانہ اور بردارانہ سلوک کرتے تھے کھنہ صاحب کی سکونت سکندر آباد میں تھی۔ حیدر آبادی تہذیب و شائستگی کی نمائندہ شخصیت تھے۔ ان کا لب و لہجہ نہایت سلجھا ہوا پُر وقار ہوتا تھا۔ کھنہ صاحب جیسے لوگوں کی جدائی عارضی ہوتی ہے دائمی نہیں۔ انہیں یاد کرنے والے اب بھی بہت سے لوگ موجود ہیں ان کی انسان دوستی اپنی آپ مثال زنجی کھنہ صاحب کی والہانہ و بستیگی گو میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ ان کی یاد میرے علاوہ ان کے بہت سے دوستوں کے دلوں میں اُجاگر ہے اب ایسے لوگ بہت کم ملتے ہیں جو دل و دماغ پر چپکا ہوئے رہتے ہیں۔

علامہ حیرت بدایونی

(کلاسیکی شاعری کے بلند مرتبہ محترم شاعر)

حیدرآباد میں محفل شعرو سخن کی پروقاہ فضا کو برقرار رکھنے اور اس کو پروان چڑھانے میں جہاں پرانے شہر کے شعرائے کرام، سرگرم عمل رہا کرتے تھے وہیں نئے شہر میں ہونے والے مشاعروں سے علامہ حیرت بدایونی بھی دلچسپی رکھتے تھے علامہ اگرچہ نہ تو کسی انجمن کے سربراہ تھے اور نہ ہی رکن لیکن ایک قابل قدر بزرگ شاعر کی حیثیت سے مشاعروں کی سرپرستی کیا کرتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یہ نہیں معلوم کہ حیدرآباد میں علامہ کے شاگردوں میں کون کون سے شاعر شامل تھے۔ البتہ میں نے یہ ضرور سنا تھا کہ طالب رزاقی ان کے شاگرد تھے۔ یوگس حیدرآبادی کو بھی ان سے شرفِ تلمذ حاصل تھا علاحدہ حبیب نگر (ملے پلے) میں سکونت پذیر تھے۔ اُس دور میں بھی جس طرح پرانے شہر میں مشاعروں کی بہتات تھی نئے شہر میں نہیں تھی۔ میں نے اپنی ابتدائی شاعری کے زمانے میں نئے اور پرانے شہر کے مشاعروں میں مدعو کیا

جاننا ہوں۔ علامہ حیرت کے ہم عصروں میں پرانے شہر کے شاعروں میں علامہ نجم آفندی، مولانا شیخ احمد شکارانی کاغذی، حضرت قدردینی اور تاج قریشی جیسے اساتذہ سخن کے علاوہ ادج یعقوبی، خواجہ مشوق ڈاکٹر علی احمد جلیلی، سعید شہیدی، طالب رزاقی، خیرات ندیم جیسے مقبول شاعر بھی شامل رہے ہیں۔ نئے شہر کے نامور شعراء مخدوم قحی الدین شاہد صدیقی، سلیمان اربیب، کنول پریشا کنول، شاذ تمکنت بھی علامہ کی شاعرانہ قدردانیت کو خراج پیش کرنے لگے۔

مجھے جو حکم علامہ حیرت بدایونی کی شخصیت اور ان کے شاعرانہ مرتبہ پر اظہار خیال کرنا ہے۔ اس لئے میں نے علامہ کو کس کس رنگ میں کہاں کہاں دیکھا ہے اپنے تجربات کی روشنی میں ان کی شخصیت اور شاعر کی پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں۔ علامہ اپنے دور کے ایک مستند مقبول و مشہور شاعر تھے بہار اربعہ سرکش پرشاد و عبدالکبیر صاحب آباد کن کے شاعرانہ دربار سے وابستہ تھے۔ علامہ کا کلام اخباروں اور رسائل میں بہت کم شائع ہوتا تھا۔ انہوں نے کبھی اپنے کلام کی اشاعت کے بارے میں دلچسپی نہیں لی۔ البتہ شہر کے اہم مشاعروں میں شریک رہتے تھے۔ علامہ کا انتقال ۱۹۷۹ء میں ہوا جبکہ ان کی عمر تک جھگ ۸۰ سال کی تھی۔ ان کی زندگی تک بھی شہر کے مشاعروں کی فضا نرم گرم ماحول کی نگرانی کیا کرتی تھی۔ میں نے علامہ کی صدارت میں کئی مشاعرے پڑھے ہیں چاہے نئے شہر کے مشاعرے کا ماحول کہہ کر پرانے شہر کے مشاعرے سے

علامہ نہایت وضع دار، باوقار، محترم اور انسان دوست شخصیت کے حامل تھے۔ مشاعروں میں وقت پر پہنچتے تھے۔ میں نے علامہ کو جب کبھی مشاعروں کی صدارت کئے لئے مدعو کیا تھا وہ بہ خوشی تشریف لائے تھے۔ میں جیسے ہی علامہ کے گھر پہنچتا چائے سے تواضع کی جاتی۔ شہر کے مشاعروں کے بارے میں گفتگو رہتی اور مجھے ادبی ماحول میں لینے وجود کا احساس دلانے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ علامہ حیرت صاف دل اور کھلا ذہن رکھتے تھے۔ شہر کے تمام شاعروں سے ان کے تعلقات خوشگوار تھے۔ تمام شاعروں سے دوستانہ مراسم تھے۔ علامہ حیرت گل ہند مرتبہ کے شاعر کی حیثیت سے مشہور تھے۔ مشاعروں کے سلسلے میں جتنے بھی شاعر بیرون حیدر آباد سے آئے علامہ سے ضرور ملاقات کرتے تھے ان کے دولت خانہ پر محل شعر بھی ہوتی تھی۔ جو شمس الملح آبادی، جگر مراد آبادی جیسے عظیم شعراء بھی علامہ سے ملتے ان کے گھر جاتے۔ شاہد صدیقی حیدر آباد کے ایک زندگودگو نامور شاعر تھے ان کے مزاج میں بلا کی بذلہ سنجی تھی۔ بات میں بات پیدا کرنا ان کے لئے ایک معمولی سی بات تھی۔ علامہ سے ان کی چھیڑ چھاڑ جاری رہتی۔ جو شمس صاحب بھی اپنے مخصوص رنگ میں علامہ سے مذاق کیا کرتے۔ میں نے سنا ہے کہ علامہ کی توصیف میں جو شمس اور شاہد صدیقی نے مخصوص لفظیات کے ساتھ ایک مشترک غزل بھی تھی۔

علامہ حیرت بدایونی جو سب سے شاعری میں مجھے بہت چاہتے تھے ان کی خواہش رہی کہ میں شہر کے بڑے اور معیاری مشاعروں میں اپنا کلام سنایا کروں۔ مجھے بنجارہ ہلنر کا ایک مشاعرہ آج بھی یاد ہے۔ خان اقبال علامہ الدین جو (محترمہ بلقیس علامہ الدین کے شوہر محترم تھے) کی رہائش گاہ پر منعقد ہوا تھا علامہ مجھے اس مشاعرے میں اپنے ساتھ لے گئے تھے اس زمانے میں شہر کی صاف ستھری محترز شخصیتوں کی رہائش گاہوں پر محفل شعری منعقد کر کے کار و اراج تھا علامہ اس بات کا ضرور خیال رکھتے تھے کہ جس کسی مشاعرہ کے وہ داعی ہوں یا ان کے ذمہ شعراء کا انتخاب ہو تو ایسے شاعر و شاعری کو ہی خصوصیت کہ ساتھ مدعو کرتے تھے جو جام و مینا کے مشغلوں سے دور رہنے ہوں۔ علامہ کا ذوق شاعری نہایت نکھر نکھر اٹھا بہت عمدہ شعر کہتے تھے تحت میں کلام سناتے تھے پیڑھنے کا انداز متھو اور چھایا ہوا رہتا تھا علامہ کے دو شعری مجموعے ابریق (فارسی) اور آئینہ اردو کے نام سے شائع ہوئے ہیں ان کے تمام بیٹے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں ممتاز عثمانی پروفیسر فضل محمد رائس پائسلر امیڈ کرلیونیو رکٹی ہیں۔ احمد علیس ڈچی ڈاکٹر کڑ دور درشن جنگلور کے علاوہ ان کے دوسرے بیٹے بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ ان کی صاحبزادی پدم شری جیلانی بانو عالمی شہرت کی حامل افسانہ نگار و ناول نگار ہیں۔ علامہ حیرت بدایونی بے حد خوش نصیب باپ رہے ہیں۔

علامہ حیرت بدایونی جب شعر سناتے تھے تو سارے سامعین ان کی جانب بڑی طرح سے متوجہ رہتے تھے شہ نشین کا خود شکوہ اراحول بھی ان کے ساتھ رہتا۔ مشاعروں میں خوب داد و تحنیں سے نوازے جاتے۔ علامہ حیرت کئی برسوں تک صغفی نمائش کے زیر اہتمام ہونے والے نمائش کلب کے مشاعروں کے صدر رہے۔ کئی برسوں تک معتمد مشاعرہ بھی رہے۔ نمائش کلب کے مشاعروں کے کنوینر شاہد صدیقی بھی رہے ہیں۔ علامہ حیرت بدایونی کے بعد علامہ الدین بیکر معتمد مشاعرہ رہے اور گزشتہ ۲۵ برس سے یہ ذمہ دار بن رہے ہیں۔ میں جب پہلی دفعہ نمائش کلب کے مشاعرہ میں مدعو کیا گیا تو شاہد صدیقی معتمد مشاعرہ نے مشاعرہ میں شرکت کرنے کے لئے صرف تین سطر ہی خط لکھا تھا۔ اس زمانے سے میں نمائش کلب کے مشاعرے پڑھ رہا ہوں۔ علامہ حیرت ادارہ ادبیات کے مشاعروں میں بھی صدارت کیا کرتے تھے ان کے ڈاکٹر اور سے بہت اچھے مراسم تھے ادارہ ادبیات اردو میں یوم محمدی قطب شاہ نقاد بیک کے سالانہ مشاعروں کے علاوہ مختلف اوقات میں مشاعرے ہوتے تھے جب کبھی کوئی نامور شعراء حیدر آباد آتے تو ڈاکٹر زور مشاعرہ کا اہتمام کرتے تھے۔ علامہ حیرت انجن ترقی اردو کے زیر اہتمام منعقدہ متعدد مشاعروں میں شریک رہتے بلکہ بیشتر مشاعروں کی صدارت کرتے تھے میں نے علامہ کے ساتھ بعض اصلااح کے مشاعرے بھی پڑھے ہیں جناب عابد علی خان کے دولت خانے پر ہونے والی محفلوں میں علامہ شریک رہتے۔ اگر مشاعرہ منعقد ہونے والے بہترین کلام سے نوازتے تھے۔ مجھے بزم اردو الکثر سبب بڑی

کی سیرم اردو کی جانب سے منعقدہ ایک مشاعرہ کی یاد آ رہی ہے علامہ شہر
تے صدارت کی تھی۔ اس مشاعرہ میں ہیدر آباد کے نمائندہ شاعروں کو مدعو
کیا گیا تھا منظر النساء تازہ اس مشاعرہ کی روح رواں تھیں سکرٹری کی
ملازمت کے بعد منظر النساء تازہ اکثر بیٹی بورڈ کی ملازمت اختیار کرتی تھی
اس مشاعرہ میں بھی منظر النساء تازہ نے نہایت دلچسپی لی تھی۔ اس مشاعرہ میں
علامہ نے غیر معمولی داد و تحسین حاصل کی تھی شعرا و نثری انتخاب میں مجھ سے بھی
تعاون حاصل کیا گیا تھا۔ اس مشاعرہ میں میں نے تحت میں کلام سنایا تھا کیونکہ
آواز ٹھیک نہیں تھی شاعروں میں ہمیشہ ترغیم مجھ ہی کلام سنایا کرتا ہوں مجھے
یاد ہے اس مشاعرے میں میں نے یہ غزل سنائی تھی

کیا شہر تھا کس طرح سے میرا بلوہوا ہے
قافل کے سوا شہر میں اب کوئی کیا ہے

پرانے شہر کے شاعروں میں خاص طور پر میرے استاد فخرم حضرت قدر علی
کی رہائش گاہ پر منعقدہ شاعروں میں علامہ حریت ضرور شریک رہتے تھے
علامہ کو میں نے حضرت کامل شطاری کی رہائش گاہ پر منعقدہ شاعروں میں
بھی سنا ہے علامہ نہایت ہندو شریف النفس انسان تھے نوجوان
شعرا کی حوصلہ افزائی میں دلچسپی رکھتے تھے آداب مشاعرہ کو نہ صرف ملحوظ
رکھتے تھے بلکہ دیگر شعرا سے بھی اسی طرح کی توقع رکھتے تھے جب میرا پہلا
مجموعہ کلام نکلنا تازہ شائع ہوا تو بہت خوش ہوئے۔ میں نے ایک جگہ
ان کے دولت خانہ پہنچ کر ان کی خدمت میں پیش کیا تھا

بہت بہت مبارکباد دی۔ مجھ سے علامہ نے اس وقت یہ وعدہ کیا تھا کہ
گل تازہ کی رسم اجراء تقریب میں تشریف لائیں گے علامہ حیرت رسم اجراء
تقریب میں تشریف لائے تھے اردو ہال میں گل تازہ کی شاندار میلانے
پر رسم اجراء تقریب منعقد ہوئی تھی پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد پرنسپل
اردو کالج نے رسم اجراء انجام دی تھی۔ اردو ہال تنگ دامن کی خشکائیت
کرماتفا علامہ کی شاعری کلاسیکی شعروادب سے تعلق رکھتی ہے ان کی
شاعری کلاسیکی اقدار کی ترجمان ہے ان کا اسلوب شاعری اساتذہ سخن
کی نور بصیرت کا عکاس ہے فارسی شعروادب نے بھی علامہ کو بکا کمال شاعر
بنادیا تھا۔ مجھے ۱۹۶۰ء سے پہلے کے شہر کے شاعرانہ ماحول سے زیادہ واقفیت
نہیں تھی۔ یقیناً اس دور میں بھی علامہ نے اپنے جوہر دکھائے ہوں گے
آج حیدر آبادی، فانی بدایونی کے ساتھ کئی مشاعرے پڑھے ہوں گے۔ علامہ
حیرت بدایونی کا انتقال ہوئے (۲۶) برس ہو چکے ہیں افسوس ہے کہ
ہم اپنے بزرگوں کو بھولنے جا رہے ہیں ان کی یاد تازہ رکھنے کے لئے ہم کوئی
محفل آراستہ نہیں کرتے۔ لیکن شہر کی ایک ادبی انجمن ایسی ہے جو اوراق ماہی
کے زیر عنوان اساتذہ سخن، ادیبوں وغیرہ کی یاد میں جلسے منعقد کرتی ہے
وہ ادبی انجمن ادارہ میر اشہر میرے لوگ ہے میں اس ادارہ کا صدر ہوں۔
اس ادارہ کے زیر انتہام علامہ حیرت کے فن اور شخصیت کو خراج پیش کرنے
کے لئے اوراق ماہی کے زیر عنوان مولانا ابوالکلام آزاد انسٹیٹیوٹ میں ادبی تقریب
منعقد کی گئی تھی میری خواہش تھی ہے کہ ہم اپنے مشاہیر اہل قلم حضرات کی یادیں ادبی جلسے
منعقد کریں۔ علامہ حیرت بھی ہمارے شہر کی ادبی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گے
ایسا مجھے یقین ہے۔

مخدوم محی الدین

(انقلابی شاعر۔ نفیس انسان۔ طرح دار شخصیت)

مخدوم محی الدین جیسے انقلابی شاعر، نفیس انسان اور طرح دار شخصیت کے بارے میں مصحوبین، اُن کے بارے میں عام فرسائی کرنا، اُن کی خوبیوں کے تذکروں سے ذہن و دل کو روشن رکھنا اور اس طرح کے عظیم انسان کی عظمتوں اور فضیلتوں کو خراج پیش کرنا ایک ایسی مسرت و انبساط کی بات ہے کہ جس سے جو لانگاہ فکر کو تخیل و انانی ملتی ہے بہت کم ایسے لوگ ہوتے ہیں جو نہ صرف آبِ رواں کی طرح فیضِ رسانی ہوتے ہیں بلکہ جن کی خوشبو سارے ماحول کو مہکا دیتی ہے۔ مخدوم محی الدین صاحب کو اسی پس منظر میں یاد کیا جاتا ہے مخدوم محی الدین نہ صرف ایک لاجواب شاعر تھے بلکہ پُر خلوص و عالی درجہ کے باکردار انسان بھی تھے۔ معاشرہ کی صبح و شام کے اُن لمحوں کے بین بھی تھے جو انسان کی عظمتوں کی پاسداری کیا کرتے تھے مخدوم صاحب کی سب سے بڑی حیثیت، سب سے بڑا صوبہ بیتیں برداشت کیں۔ ظلم و استبداد کے خلاف

اپنی ہوا زبند کی اور اپنے اعلیٰ کردار کا ثبوت دینے ہوئے فسطاٹ طاقتوں کے ساتھ مقابلہ کیا۔ کسے پتہ تھا کہ ایک ایسا شخص جس نے بی باحول میں آنکھیں کھولی ہو وہ ایک ایسے قائد کی طرح ابھرے گا جو ہر سے پرچم کوں تھامنے کی بجائے لال پرچم کو تھامے گا۔ لال پرچم ظلم و زیادتی، استغناء و حق تلفی کے اسداد کے لئے ایک ایسی علامت بنے گا جو ہمیشہ کمزوروں، لاچاروں، بے سہاروں اور سوسائٹی کے عدم توجہ کے شکار لوگوں کے لئے ایک مسیحا کا کام کرتا ہے۔ اگر مخدوم محی الدین صاحب کے خیالات میں تبدیلی آتی تو یہ ممکن تھا کہ وہ ہر سے پرچم کو ہاتھ میں لے کر ملت اسلامیہ میں بڑا نام کھاتے مخدوم محی الدین صاحب۔ نے کبھی عیش و آرام کی زندگی نہیں گزاری۔ ہمیشہ عوام کے زخموں پر سر ہم رکھتے رہے ان کے دکھ درد، ان کے کرب و اذیت ان کی پریشانیوں اور مصیبتوں کو اپنا دوست بنایا اور ان کی فلاح و بہبود کے لئے سرگرم عمل رہے۔ اپنی شخصیت کے سحر سے کئی مظلوموں اور بے سہاروں کی مدد کی۔ ایک کمیونٹی لیڈر انسانی رشتوں کے طرفدار اور بے غرضی کی طرح اپنی زندگی بسر کی۔ شاعر کی حیثیت سے ان کے کلام نے ساری ادبی دنیا کو چومکا کے رکھ دیا۔ سُرخ سویرا کی نظموں نے ادبی دنیا میں پاپی مجادی پھر گل نزار اور بسا ارقص کی اشاعت نے تو مخدوم محی الدین کی شاعرانہ فضیلت پر نہر تصدیق ثبت کر دی۔ وہ شاعروں میں صف اول کے شاعر شمار کیے جانے لگے۔ مخدوم محی الدین کی سیاسی نظمیں جو دلوں کو گرا۔ نمدالی ہیں بہت

سے لوگوں کو یاد ہیں۔ خاص طور پر حیانتاویں کا بس، مانتنگھانہ، چارہ گر جسی
 نظموں نے کافی شہرت حاصل کی محترم صاحبہ جامیہ عثمانیہ سے ایم اے کرنے کے بعد کئی
 کانٹاں اور دو کے اشعار مقرر ہوئے پھر الہوانہ کی کونسل پارٹی کے لیے ملازمت چھوڑ
 دی اور رات دن پارٹی کے کاموں میں مصروف رہیں اس کے باوجود انہوں نے ان
 دنوں اپنی شاعری کے لیے شمار جو ہر دکھائے۔ محترم فی الدین صاحب بنیادی طور
 پر نظم کے شاعر ہیں لیکن انہوں نے جعفر کریم اکا ساغر زبیر بھی کہیں ہیں جد آباد
 کے بہت سے شاعروں میں ہیں نے جو دوں صاحبہ کو سند ہے ان کے ساتھ کلام پڑھا
 ہے محترم صاحبہ سحر آگیا تو نظم میں کلام سنا تھے اور دو شاعری کی تاریخ میں محترم
 فی الدین صاحب شاید اکیلے شاعر۔ جو آزاد نظمیں نظم میں سنا یا کرتے تھے
 اور جب کسی مظلوم کی آواز ان کے اشعار سے اُٹھتی تو سامعین کی پلکیں بھگ
 جاتی تھیں۔ محترم صاحبہ شاعری میں ہمیشہ جینہ نگاہ کے ہوشے رہتے تھے
 جس نے بہت قریب سے دیکھا ہے کہ محترم صاحبہ جب کلام سنانے تو آنکھیں
 بند کر لیتے تھے اور ایک خاص کیفیت، ان پر طاری ہوتی تھی۔ محترم صاحبہ
 انہیں بڑے شاعر ہونے کے باوجود نہایت سادہ طبیعت انسان تھے اپنے ہم عصر
 شاعروں سے ہمیشہ دوستانہ فضا میں گفتگو کرتے اور دوستانہ فضا میں ہی
 ان کے ساتھ رہتے۔ میں نے محترم صاحبہ کو ماہنامہ صبا کے دفتر (پچیس
 کوارٹرس عظم جاہی مارکٹ) پر بھی دیکھا ہے جہاں وہ کبھی کبھی سلیمان اریب
 شاہد صدیقی اور دیگر شاعروں کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے کمرہ نمبر ۱۱ صبا کا
 دفتر تھا سلیمان اریب نے صبا کے ایڈیٹر کی حیثیت سے نہ صرف شعر و ادب کی

خدمت کا ہے بلکہ اپنے ہم عصر شاعروں میں خوشگوار ماحول کو سراوان چڑھایا۔
مخدوم صاحب اپنے لطائف سے محفل کو غفران زار بناتے تھے میں نے
مخدوم صاحب کو ادینٹ ہوٹل میں بھی دیکھا ہے ہمیشہ خوش طبعی اور
خوش سلیقگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے شاعر دوستوں، کمیونسٹ
پارٹی کے قائدین اور ارکان کے ساتھ بیٹھے رہتے تھے۔ مخدوم صاحب سے
میں اپنی ابتدائی شاعری کے زمانے میں شخصی طور پر واقف نہیں تھا لیکن مشاعروں
میں ان کے کلام سے محفوظ ہوتا تھا مشاعروں ہی کی وساطت سے میں ان کے
قریب ہوتا گیا۔ مخدوم صاحب مشاعروں میں آتے تو ان کے خیر مقدم کے
لئے سامعین زوردار تالیوں سے ان کا استقبال کرتے تھے بھرپور داد دیتے
تھے بلند مرتبہ شاعر، اعلیٰ درجہ کے انسان اور باضغور قائد تھے تقریباً
۴۰ برس پہلے کی بات ہے کہ اردو ہال میں مخدوم محی الدین صاحب کی غزل
کا ایک مصرعے طرح کے طور پر دیا گیا تھا۔
زندگی موتیوں کی ڈھلکنی لڑنی سے زندگی درد و غم کا بیاں دوستو
حیدر آباد کے تقویم نامندہ سینئر و جونیئر شاعروں نے شرکت کی تھی وہ
ایک تاریخی مشاعرہ تھا اس مشاعرہ میں میں نے بھی اپنا کلام سنایا تھا
اس مشاعرہ کے داعی شمس الدین تاباں اور ابن احمد تائب تھے اس مشاعرہ
کے بعد ہی ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں کی بنیاد پڑی۔ اردو ہال کے تمام بڑے
مشاعروں میں مخدوم صاحب کو میں سنتا رہا ہوں۔ مجھے یہ اعزاز حاصل
ہے کہ ۱۹۶۵ء میں میرے پہلے مجموعہ کلام "گل تازہ کی رقم" اجرا و تقریب میں

جو اردو مال میں منعقد ہوئی تھی مخدوم صاحب بھی تشریف لائے تھے مجھے یہ بھی یاد آ رہا ہے کہ وہ کسی بھی محفل میں کہیں بھی بیٹھ جاتے تھے۔ نکل تازہ کی رسم اجرا انجام دینے کے بعد پروفیسر عبدالواحد نے کہا تھا کہ مخدوم محی الدین کی کل ترکی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن نکل تازہ کی محویت بھی اپنا وجود رکھتی ہے۔ اس ادبی تقریب میں شہر کے تقریباً تمام مشاہیر اردو موجود تھے اردو مال اپنی تنگ دامنی کا شکوہ کر رہا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ مخدوم صاحب نے ایک نہایت ہی خوبصورت شاعر نکل تازہ کو مبارکباد دی تھی۔ مخدوم صاحب کے ہمراہ مجھے بھی کئی کل ہند مشاعرہ میں شرکت کرنے کا موقع ملا تھا وہ بھی کما۔ وسر سنگار کا مشاعرہ تھا جس میں اس دور کے تمام صف اول کے شاعر مدعو تھے فلمی دنیا کی تابندہ شخصیت پر نقوی صاحب نے بھی یہاں خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی تھی اس مشاعرے کے بعد دوسرے ہی دن ذریعہ ہوائی جہاز میں حیدر آباد آجاتا تھا عابد علی خان صاحب نے ہوائی جہاز کے ٹکٹ کا انتظام کیا تھا حیدر آباد میں جشن غالب کے مشاعرہ میں فیض احمد فیض مجروح سلطانی پوری کے ہمراہ تھے بھی آتا تھا۔ عابد علی خان صاحب نے خواجہ عبدالغفار آئی لے ایس سے فون پر کہا تھا کہ فیض اور مجروح کے ہمراہ صلاح الدین نیر کو بھی حیدر آباد بھیج دو۔ ہم حیدر آباد اس وقت ہوئے جب مشاعرہ کی کارروائی کا آغاز ہو چکا تھا مشاعرہ میں ساحر لدھیانوی بھی موجود تھے۔

۳ برس پہلے رئیس اختر صاحب انجمن دیباچہ ادب کے زیر اہتمام بید میں مشاعرے منعقد کیا کرتے تھے ایک مشاعرہ میں مخدوم محی الدین بھی مدعو تھے مخدوم محی الدین صاحب رئیس اختر اور میں نے ذریعہ کار بید کا

سفر کیا تھا مخدوم صاحب نے دورانِ سفر کئی لطیفے سنائے۔ کوئی خاص لطیفہ
 یا کوئی خاص بات یہ تو مخدوم صاحب مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھانے تھے ان
 کا مسکراتا چہرہ آنکھوں میں چھترنا رہتا تھا اردو ہندی کے شاعر جیون لال کپڑے کے
 ایک ناجر خفے پڑانے شہر میں ان کے مکان پر ایک انجن بزم جیون کے نام سے
 قائم تھی جس کے تحت ہر ماہ مشاعرہ ہوا کرتا تھا میں تقریباً دو سال بزم جیون
 کا معتقد رہا۔ مجھ سے پہلے روحی قادری صاحب معتد مشاعرہ تھے یہ ۱۹۵۹ء
 ۱۹۶۲ء کی بات ہے میں نے اپنی معتدی کے زمانے میں مخدوم صاحب کو بزم
 جیون کے ایک مشاعرہ کی صدارت کے لئے مدعو کیا تھا وہ یہ خوشی نشتر لایا
 لائے۔ مخدوم صاحب کی شرکت نے مجھے سرخروی کا موقع عطا کیا ۱۹۶۱ء کی بات ہے
 حیدر آباد الیوننگ گالری میں بین کلبانی مشاعرہ تھا ان دنوں میں اور نیٹس
 اردو گالری کا صدر تھا مشاعرہ میں بھی مدعو تھا الیوننگ گالری کے صدر بزم نے مجھ
 سے خواہش کی تھی کہ میں مخدوم صاحب کو مشاعرہ کی صدارت کے لئے مدعو
 کروں۔ ہم دونوں مخدوم صاحب کی رہائش گاہ واقع قدیم ایم ایلیز کوآرٹرس
 پہنچ گئے۔ مخدوم صاحب نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا تم گالری کے شاعروں کے
 گنہ دار بھی ہو۔ میں ضرور آؤں گا۔ میں نے مخدوم صاحب سے کہا تھا کہ
 اس طالب علم کو آپ سے ملتے میں تکلف تھا اور انھیں یہ ڈر تھا کہ آپ ان
 سے ملیں گے ابھی کہ نہیں اور پھر مشاعرے میں ایک بڑے شاعر کو مدعو کرنا ان کے
 لئے ایک تجربہ تھا۔ اس نے اہوں نے میرا سہارا لیا ہے۔
 ایک دفعہ کا واقعہ یہ کہ میرے ایک ساتھی کا تبادلہ کسی ضلع پر ہو گیا تھا

متعلقہ کمشنر محذوم صاحب کے دوست تھے شاعر دوست نے مجھ سے کہا کہ صرف محذوم صاحب ہی یہ کام کر سکتے ہیں اصغر حسین شراں کے دوست ہیں۔ ہم دونوں ایک دن صبح محذوم صاحب سے ملنے کے لئے اُن کی رہائش گاہ قدیم ایم ایل ایئر کوارٹر پہنچے۔ محذوم صاحب نے ڈرائیونگ روم میں بیٹھنے کے لئے کہا۔ ۵، ۷ منٹ کے بعد تشریف لائے۔ میں نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا تو وہ برہم ہو گئے اور کہنے لگے سرکاری ملازم کو جہاں بھیج دیا جائے جانا چاہیے۔ میں نے کہا ابہیں جانے میں کوئی تامل نہیں ہے لیکن یہ شاعر بھی ہیں اس لئے حیدر آباد سے باہر جانا نہیں چاہتے۔ اس جملہ پر وہ اور برہم ہو گئے اور کہنے لگے اگر شاعری کرنے ہیں تو کوئی نیر نہیں راتے۔ میں کوئی مدد نہیں کر سکتا یہ کہتے ہوئے وہ اپنے کمرہ میں چلے گئے اور وہاں سے انہوں نے کمشنر صاحب کو فون کیا۔ ایک ہفتہ کے بعد تبادلہ منسوخ ہو گیا۔ جانے ایسے کتنے اہل عرض ہوں گے جو اُن سے استفادہ کرتے رہے ہوں گے ایک دفعہ میں شام میں مدینہ ہوٹل کے روبرو داخل ایک شاعر (سید احمد صاحب) کے مکان کے سامنے تخت پر اپنے شاعر دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا محذوم صاحب کو معلوم تھا کہ یہاں اوج بیوقوفی اور دیگر شاعر بیٹھا کرتے ہیں پتہ نہیں کس سلسلے میں وہ پرانا شہر تشریف لائے تھے جیسے ہی وہ ہمارے قریب آئے ہم سب ان کے احترام میں کھڑے ہو گئے اور ابہیں ہم نے سلام کیا۔ سلام کا جواب دینے ہوئے محذوم صاحب نے مجھ سے مصافحہ کیا تھا جب یہ بات یاد آتی ہے تو بہ محسوس ہوتا ہے کہ میری ہتھیلی اب بھی گرم ہے بڑی گرم جوشی

کے ساتھ مخدوم صاحب نے مصافحہ کیا تھا کچھ دیر سخت پر بیٹھے رہے اور جلے
 گئے۔ مخدوم صاحب ادبی ٹرسٹ کے ٹرسٹی تھے عابد علی خاں صاحب اور جگر صاحب
 سے ان کے گھر سے مراسم تھے میں نے دیکھا اور محسوس کیا ہے کہ عابد علی خاں صاحب
 اور جگر صاحب مخدوم محی الدین صاحب کی بہت عزت کرتے تھے جب کبھی وہ دفتر
 سیاست آتے جگر صاحب ان کے خیر مقدم کے لئے آگے بڑھتے اور انہیں
 عابد علی خاں صاحب کے اجلاس پر لے جاتے تھے تازہ کلام یونٹو اشاعت
 کے لئے لے لیتے۔ مخدوم صاحب کا ہر تازہ کلام سیاست میں شائع ہوتا تھا۔
 ادبی ٹرسٹ نے ان کا مجموعہ کلام بساطِ رفص شائع کیا جب میں بنیاد شائع تھا
 میرے بعض ساتھی کہتے تھے کہ مخدوم محی الدین صاحب دہریے ہیں خدا کو
 نہیں مانتے۔ مذہب بیزار ہیں (لیکن یہ غلط ہے) مجھے یاد ہے کہ شاہ صدیقی
 کی نماز جنازہ میں وہ شریک تھے شاہ صدیقی کی نماز جنازہ مسجدِ مالکنہ میں ہوئی تھی
 واقعہً معظم جاہی مارکٹ میں بیٹھ تھے مخدوم صاحب سماج کی نظروں میں ایک
 بچے کیونست ضرورت تھی لیکن وہ دین اسلام سے بہت قریب تھے مذہب
 اسلام کی تعلیم میں ہمیشہ سر جھکاتے تھے مخدوم صاحب بہترین قاری تھے۔
 کہا جاتا ہے کہ وہ کلام پاک مخصوص فن میں پڑھتے تھے ان کا چہین دینی ماحول
 میں گذرا۔

فاتن آرٹس اکیڈمی کے فنکار نے مخدوم محی الدین صاحب کا کلام مختلف مواقع پر
 ساز پر پیش کیا۔ خاص طور پر نظم چارہ گر (ایک چنبیلی کے منڈوے تلے)
 ایک ایک کر سنایا کرتے تھے وہ محلِ راویں درد بھر کا آواز ایک سحر بانڈھ

دینی تھی فائن آرٹس اکیڈمی کی روح رواں حمایت اللہ کی یہ کوشش رہی ہے کہ موسیقی
 کے ہر سپر گرام میں مخدوم محی الدین صاحب کلام ساز پر پیش کیا جائے۔ لوگوں کا
 کہنا ہے کہ جبریل خلیفہ محی الدین صاحب جیل سے رہا ہو گئے تو ہزاروں اُن کے چاہنے
 والوں نے ان کا استقبال کیا تھا مخدوم صاحب نہ صرف ایک قائد کی حیثیت
 سے بلے حد مشہور تھے بلکہ ایک عظیم المرتبت شاعر کی حیثیت سے بھی
 لیے حد مقبول تھے مخدوم محی الدین صاحب نے کئی کئی ہندو مشاعرے پڑھے ہیں
 مخدوم محی الدین صاحب کا نام نثری پسند شاعروں کی اولین فہرست میں نمایاں ہے
 جب آئندہ ہر سپر دیش کی حکومت میں ایم ایل سی نامزد ہوئے تو اردو کا ز
 کے لئے بھرپور نمائندگی کرتے رہے انجن نثری اردو سے گہری وابستگی تھی
 مخدوم صاحب نہایت سادے پیر وقار اور معتبر انسان تھے مخدوم
 صاحب کو نہ تو مظلوم عوام بھلا سکتے ہیں اور نہ ہی مشر و ادب کی دنیا ہی
 انہیں بھلا سکتی ہے خاص طور پر حیدر آباد کے دانشورانِ شعر و ادب مخدوم
 صاحب کو ہر دور میں خراج پیش کرتے رہیں گے حیدر آباد نے بڑے بڑے
 شاعروں کو جنم دیا ہے لیکن کچھ شاعر ہی ایسے ہوتے ہیں جو عوام اور ادبی
 حلقوں میں زیادہ مقبول ہوتے ہیں ایسے شاعروں میں سر فہرست ایک نام
 مخدوم محی الدین صاحب کا بھی ہے میرے لئے یہ بات باعثِ توقیر ہے کہ میں نے مخدوم
 صاحب کو دیکھا ہے انہیں سننا ہے اور ان کے ساتھ کلام سنایا ہے ایسا اعزاز
 ایک جو نیر شاعر کے لئے بہت بڑی بات ہے میں اور مجھے جیسے شاعر جو مخدوم جیسے شاعروں
 کے سایہ عاطفت میں شعر و سخن کی محفلوں میں شرکت کرتے رہے ہیں ہمیں اُن کی یاد
 کو تازہ رکھنا ضروری ہے۔

شاہد صدیقی

(قد آورہ شاعر۔ منفرد طنز نگار)

میں ۱۹۵۹ء میں اورینٹل اردو کالج کا طالب علم تھا بزمِ اردو، اورینٹل اردو کالج کا بلا مقابلہ صدر منتخب کیا گیا تھا اردو کالج کی طالب علمی کے زمانے میں میں کالج کی بزمِ اردو کی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لئے سرگرداں رہتا تھا بزمِ اردو کے زیرِ اہتمام بین کلبی ادبی، شعری و تہذیبی مقابلے ہوا کرتے تھے۔ اسی زمانے (۱۹۵۹ء) میں بین کلبی اردو فیسٹول ہونے والا تھا مجھے سرپرستِ اردو فیسٹول پروفیسر عبدالقادر سروری صدر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ نے براتفاق آراء بین کلبی اردو فیسٹول کے کل ہند مشاعرہ کا معتمد مقرر کیا تھا۔ ایک دن اپنے کالج کی بزمِ اردو کے جلسے کی نیوز ریلے کی سیاست پہنچا۔ جناب عابد علی خان اور جناب محبوب حسین جگر صاحب موجود تھے۔ شاہد صدیقی صاحب ایک علیحدہ کمرہ میں معروف کارٹھے سیاست کا ابتدائی آفس موجودہ عمارت کے متصل ایک چھوٹی سی عمارت میں تھا جہاں ان دنوں مینجنگ ایڈیٹر سیاست جناب

طہیر الدین علی خان کا اجلاس ہے (جہاں پہلے جناب عابد علی خان تشریف فرما رہتے تھے) جگر صاحب نے نبوز دیکھ کر فرمایا تھا کہ نبوز چھپ جائے گی پتہ نہیں جگر صاحب کو میری کونسی ادالہ آئی۔ اہود نے شاہد صدیقی صاحب سے کہا کہ یہ صلاح الدین بنبر ہیں۔ بزم اردو اور نیٹل کالج کے صدر ہیں کالج کی نبوز لے کر آئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ انہیں محفل شعر کے کالم کی ذمہ داری سونپیوں (اُس وقت شاہد صدیقی صاحب محفل شعر کا کالم ترتیب دیتے تھے) یہ شاہد صدیقی صاحب سے میری پہلی ملاقات تھی۔ شاہد صدیقی صاحب کو میں نے شہر کے بہت سے مشاعروں میں دیکھا تھا۔ ان کا کلام سنا تھا۔ میندی شاعر کی حیثیت سے میں نے ان کے ساتھ کئی مشاعرے پڑھے ہیں۔ شاہد صاحب سے میری کوئی رسم و راہ نہیں تھی۔ مجھے یاد ہے کہ وہ نرتم میں غزلیں سناتے تھے۔ اُن کا کلام مجھے بے حد پسند تھا۔ وہ ہر سال صنعتی نمائش کے دوران بھونے والے نمائش کلب کے مشاعرہ کے معتمد رہتے تھے۔ اُن دنوں نمائش کلب کا مشاعرہ پڑھنا بہت بڑی بات تھی شہر کے اہم منتخب شاعر مدعو رہتے تھے مجھے جیسے جو نیر شاعر کے لئے نو لیحد عزت کی بات تھی یہ بات ۲۵ برس پہلے کی ہے شاہد صاحب نے اپنی دو سطر کی خبر میرے ذریعہ مجھ سے نمائش کلب کے مشاعرہ میں کلام سنانے کی دعوت دی تھی۔ شاہد صاحب نے معتمد مشاعرہ کی حیثیت سے مجھے مدعو کیا تھا۔ نمائش سوسائٹی کی جانب سے مشاعرہ کے آغاز سے پہلے نہایت بڑے تکلف عشا ئے دیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ کی بات ہے کہ میں مدینہ ہوٹل

میں چائے پی کر پان کھانے کے لئے مدینہ ہوٹل کے روبرو واقع پان کی دوکان پہنچا جو حمیدی کنفیکشنری سے متصل تھی وہاں جب میں نے شاہد صدیقی صاحب کو پان لینے ہوئے دیکھا تو احتراماً پان کے پیسے دینے کی کوشش کی۔ شاہد صاحب نے کہا تم مجھ سے چھوٹے ہو یہ تمھارا کام نہیں ہے شاہد صاحب نے میرے پان کے پیسے خود دینے۔ اس پان کی دوکان سے نامور شاعر خورشید احمد جانی بھی پان لیا کرتے تھے شاہد صاحب مشاعروں میں غزلیں سناتے تھے اور خوب جلم کر سنا تے تھے اپنے دور کے کامیاب ترین شاعر تھے اردو ہال کے ایک مشاعرہ میں انہوں نے ایک نظم "شاعر" تحت میں سنائی تھی۔ پہلی دفعہ میں نے انہیں تحت میں کلام سناتے ہوئے دیکھا تھا ویسے زندگی کے آخری دنوں میں وہ تحت اللفظ ہی میں کلام سناتے تھے انہوں نے یہ شعر سنا کر ساری محفل کو تہہ و بالا کر دیا تھا۔

پیر سنش ان کی ہوتی ہے جو بت میں نے تراشے ہیں
مگر مجھ کو کمال بت گری سے کچھ نہیں ملتا

اس شعر کا صحیح اور بروقت استعمال جناب نریندر لونگر صاحب نے اتر پردیش اردو اکیڈمی کے انعام یافتہ گان کے تہنیتی جلسہ میں جو ہمیری مارٹن انیسٹیوٹ میں ہوا تھا کیا تھا (انعام یافتہ گان میں میں بھی شامل تھا میں نے بھی قیام کیا تھا) اس شعر کے بارے میں مجھ سے دریافت کیا تو میں نے کہا تھا کہ یہ شعر شاہد صدیقی صاحب کا ہے۔ ماہنامہ "ضیاء" کی امداد کے لئے ایک کل ہند مشاعرہ رام کوٹ (سلطان بازار) میں ہوا تھا۔ اس مشاعرہ میں ملک کی تقسیم

کے بعد شاہد پہلی دفعہ پاکستان کے گرگ و گھاٹوں کی ٹیم حیدر آباد
 آئی تھی۔ اس ٹیم کے کھلاڑیوں نے بھی اس مشاعرہ میں شرکت کی تھی مشاعرہ
 میں جوش اور مجروح صاحب بھی مدعو تھے ملک کے دیگر نامور نعتیہ پسند
 شعراء بھی تشریف لائے تھے میں نے بھی اس مشاعرہ میں اپنا کلام سنایا
 تھا میں شاہد صاحب کے بازو شہنشاہ پر بیٹھا ہوا تھا شاہد صاحب
 کے ساتھ مجروح صاحب بھی تھے جوش صاحب کلام سنا رہے تھے جوش
 صاحب کو مشاعرہ میں خاطر خواہ داد نہیں مل رہی تھی انہوں نے مجروح صاحب
 اور شاہد صاحب کو جو ان کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے پلٹ کر کہا کہ اگلے
 مرد دو! مصرعے اٹھاؤ۔ شاہد صاحب نے برجستہ کہا مجروح صاحب
 جوش صاحب آپ سے کچھ کہہ رہے ہیں شاہد صاحب نہایت بذلہ سنج
 اور محفل کے آدمی تھے۔ اس مشاعرہ کے محمد مشاعرہ اختر حسن صاحب تھے
 جوش صاحب نے اپنی ضہور نظم ”ماؤں جو فانی ماؤں نے جانی“ سنائی تھی۔
 اس نظم سے مشاعرہ کی فضا بگڑ گئی۔ خواتین محفل سے اٹھ کر جانے لگیں
 مشاعرہ درہم برہم ہوا۔ جناب اختر حسن نے مشاعرے کی برخواستگی کا
 اعلان کیا۔ شاہد صاحب ”بیاد“ میں شیشہ و تیشہ کا کالم لکھتے تھے
 بہت ہی کامیاب کالم نگار رہے ہیں شیشہ و تیشہ کی نثریروں اور شاعری
 پر مشتمل شیشہ و تیشہ کے نام سے کتاب شائع ہوئی ہے جس کو جناب مجتبیٰ حسین
 نے مرتب کیا ہے۔ مجھے شاہد صاحب کے ساتھ اصداغ کے مشاعروں میں بھی
 شرکت کرنے کا موقع ملا ہے یکے میں اسی کا ریاویان میں بھی سفر کو تاج میں

شاہد صاحب بھی رہتے۔ شاہد صاحب بلا نوشت تھے ابن احمد ناب بھی
 شاہد صاحب سے کم نہیں تھے۔ انجن ترقی اردو کریم نگر کے سالانہ جلسے
 اور مشاعرہ میں کنول پرشاد کنول، شاہد صدیقی، سلیمان اریب، ابن
 احمد ناب، خیرات ندیم اور دیگر شاعروں کے علاوہ میں بھی مدعو تھا
 راستہ میں چائے خانے کو ملنے رہے لیکن کوئی سینہ صفا خانہ نہیں ملا۔
 ایک مقام پر شاہد صاحب نے کار کو اٹائی اور کہا کہ ہم ابھی آتے ہیں۔
 ابن احمد ناب بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ کچھ دیر بعد وہ سب کے توشر میں
 دھت تھے انہوں نے ایک چھوٹی سی میں سینہ صفا پی لی تھی۔ موٹر میں سوار
 ہوتے ہی ابن احمد ناب اپنی نشست پر بیٹھنے کی بجائے شعر اے کے پاؤں
 پر سو گئے۔ اس طرح کے واقعات کا بھی میں نے مشاہدہ کیا ہے۔ شاہد
 صدیقی صاحب شاعروں میں شراب پی کر ضرور آتے تھے لیکن انہوں
 نے کبھی بھی کوئی مشاعرہ نہیں بگاڑا۔ اُس زمانے میں اہم شاعروں میں
 علامہ حیرت بدایونی، شاہد صدیقی، کنول پرشاد کنول، سلیمان اریب،
 منوہر لال پہار، سعید شہیدی، اوج بیوقوفی، خیرات ندیم، مفتی تقی
 طارزاقی، عزیز بزم قیس، شاد بک، راشد آذر، ڈاکٹر وحید اختر، لازما اختر
 کرتے تھے جو غیر شاعروں میں ناصر کرنولی، رئیس اختر بھی مدعو رہتے تھے
 اس دور کے شاعروں میں کوئی جدید یہ دیکھائی نہیں دیتا تھا اس دور
 میں نمائندہ شاعروں کے لئے اردو ہال موزوں ترین مقام تھا بے شمار
 شاعر اس اردو ہال میں ہوتے رہے۔ شاہد صدیقی صاحب کا اور میرا

ساتھ ہی مشاعروں میں رہا ہے آخری مین کلیاتی اردو فیسٹول ۱۹۵۹ء کے
 کل ہند مشاعرہ میں فراق گورکھپوری، ساحر لدھیانوی، مجروح سلطان
 پوری، جہاں نثار اختر، کیفی، آغلی وغیرہ نے شرکت کی تھی۔ میں اس مشاعرہ
 کا بھگت تھا اور شاہد صدیقی صدر مشاعرہ تھے ان دنوں شاہد صدیقی صاحب
 کا کالم شبیہ و تنبیہ بے حد مشہور تھا۔ ۶۰-۱۹۵۹ء کے دوران پیرانے
 شہر میں اتحاد الشعراء کے نام سے ایک شعری و ادبی انجمن قائم ہوئی تھی جس کے
 زیر اہتمام صرف مشاعرے ہو کر رہتے تھے۔ ادارہ اتحاد الشعراء کے مشاعرے
 علامہ قدیر علی کی رہائش گاہ باغ فریدون جاہ میں ہو کر رہتے تھے اتحاد الشعراء
 کے عہدہ داروں کا باضابطہ انتخاب ہوتا تھا۔ علامہ نجم افندی صدر ادارہ
 منتخب ہوئے اور میں بھگت ادارہ۔ اس ادارہ سے شہر اور اضلاع کی ۲۱
 انجمنوں کا الحاق ہو چکا تھا۔ یہ انجمن خوش اسلوبی کے ساتھ سرگرم رہا
 کرتی تھی۔ ان دنوں اتحاد الشعراء کے مشاعروں کا کئی دفعہ شاہد صاحب نے
 مشیہ و تنبیہ کے کالم میں مذاق اڑایا۔ شاہد صاحب کا یہ خیال تھا کہ شعراء
 میں کبھی اتحاد نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ مقررہ وقت پر مشاعروں میں شرکت کر سکتے
 ہیں۔ شاہد صاحب کے تضحیک آمیز جملوں سے مجھے تکلیف نہ ہوتی تھی ایک
 دن میں مجھے کے کالم میں سیاست ہو چکی اور جگر صاحب سے مل کر شبیہ و تنبیہ
 کے کالم کے بارے میں اپنی ناراضگی ظاہر کی اور کہا کہ اتحاد الشعراء پر لانے
 شہر کی ایک مرکزی انجمن ہے آپ کے اخبار میں اس انجمن کی سرگرمیوں
 کا مذاق اڑایا جا رہا ہے یہ کوئی مناسب بات نہیں ہے جگر صاحب نے

مجھے سمجھایا اور کہا کہ مشیت و تیشہ کا کالم ایک طنزیہ کالم ہے ہم اس بات
 کا اثر مت لو۔ دراصل میں جگر صاحب سے یہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ شاہد
 صاحب کو سمجھائیں کہ اتحاد الشعراء کا مذاق نہ اڑاویں۔ شاہد صدیقی صاحب
 کو بہت سے لطیفے یاد تھے۔ کئی لطیفے وہ خود تخلیق کرتے تھے۔ سالار خٹک
 میوزیم میں اردو کتابوں کی فہرست مرتب کرنے کا کام شاہد صاحب کو
 بھی ملا تھا۔ نصیر الدین ہاشمی صاحب بھی اس کام سے وابستہ تھے شاہد صاحب
 چونکہ طنز نگار تھے اس لئے وہ نصیر الدین ہاشمی کے بارے میں کچھ بھی
 گھر لائے تھے لیکن ان کی شخصیت کا احترام کرتے تھے شاعروں میں علامہ
 حیرت بدایونی اور شاہد صدیقی صاحب کی نوک جھونک چلتی رہتی تھی۔
 علامہ حیرت شراب نوشی کے سخت خلاف تھے لیکن اُس دور کے تقریباً تمام
 شعراء کی کجیاد و مبالغہ سے دو تھی۔ اُس دور میں جگر پور مشاعرے
 ہوتے تھے ماہنامہ صبا کا دفتر نئے اور پرانے شعراء کے لئے مرکز بیت کی
 حیثیت رکھتا تھا۔ شاہد صدیقی صاحب عموماً شام میں صبا کے آفس میں
 پائے جاتے تھے سلمان اریب صاحب نے صبا کے ذریعہ شعر و ادب کی
 بڑی خدمت کی۔ یہ اُس دور کے ملک بھر کے نامور شاعروں، ادیبوں
 کی تخلیقات صبا میں شائع ہوتی تھیں۔ اریب صاحب نے صبا کے لئے اپنی
 زندگی وقف کر دی تھی۔ صبا بہت ہی معیاری رسالہ تھا جبراً یا د کے
 بیشتر ادیبوں اور شاعروں نے اس رسالے کے ذریعہ اپنی پہچان بنائی
 شاہد صدیقی صاحب نے شہر کے بہت سے اخباروں میں کام کیا لیکن ان

کارشمہ اخبار سیاست سے اٹوٹ رہا۔ کئی برسوں تک سیاست سے وابستہ رہے۔ زندگی کے آخری لمحوں تک ان کی وابستگی رہی۔ شاہد صدیقی کی عاید علی خان اور جگر صاحب بہت قدر کرتے تھے شاہد صاحب کی صلاحیتوں پر دل و جان سے سراپتے تھے۔ دماغ کی شریانیں پیٹ جانے سے شاہد صاحب کا انتقال ہوا۔ شاہد صاحب لا ولد تھے ان کی آخری آرام گاہ مخدوم محی الدین جی قبر سے متصل احاطہ درگاہ حضرت شاہ عاموشؒ میں واقع ہے۔ شاہد صدیقی نہایت مختصراً صاف گو انسان تھے اعلیٰ درجے کے شاعر تھے ان کا ایک ہی مختصر سا مجموعہ کلام چراغِ منزل ہے جس کو انجمن ترقی اردو آئندہ پیردیشی نے شائع کیا ہے مخدوم محی الدین ان کے خاص دوستوں میں سے تھے جیسوں مشاعرے شاہد صاحب ان کے ساتھ پڑھے۔ جب کبھی جگر مراد آبادی حیدر آباد آتے شاہد صدیقی صاحب کا زیادہ وقت ان کے ساتھ گذرتا تھا دونوں کو رومی کھیلنے کا بہت شوق تھا۔ شاہد صاحب جگر مراد آبادی کی بہت قدر کرتے تھے میری ہمیشہ حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ کئی مشاعروں میں مجھے مدعو کیا۔ ۱۹۶۱ء میں نظامِ کلب میں دو دن مشاعرے ہوئے تھے۔ سنجیدہ مشاعرہ احاطہ نظامِ کلب میں ہوا تھا شاہد صدیقی صاحب صدر مشاعرہ تھے اور میں معتد مشاعرہ۔ دوسرے دن کلب کے مال میں مشاعرہ ہوا تھا اس مشاعرہ کی صدارت بھی شاہد صاحب نے ہی کی تھی۔ میں معتد مشاعرہ تھا۔ مشاعرے کے سارے انتظامات جناب عاید علی خان اور جگر صاحب کی مشاورت سے طے پائے

تھے مگر صاحب نے ہی مجھے دونوں شاعروں کا معتمدِ مشاعرہ نامزد کیا تھا مجھے ایک اور مشاعرہ یاد آ رہا ہے۔ ۳۶ یا ۳۷ برس پہلے کی بات ہے محبوب نگر میں بہت بڑے مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا تھا عبدالعزیز عزمی ایڈیٹر تعمیر اس مشاعرہ کے کنوینر تھے اس مشاعرہ میں حیدر آباد کے شعراء دوویان کے ذریعہ مشاعرہ گاہ پہنچے جب مشاعرہ گاہ پہنچے تو کافی دیر ہو گئی تھی وہاں سامعین کا بچہ ہی نہیں تھا عزیز صاحب بھی موجود نہیں تھے پھر شعراء کی آمد کی تہنیتی کی گئی رات دیر گئے مشاعرہ منعقد ہوا۔ اُس زمانے میں غلام دستگیر قریشی محبوب نگر کے کلکٹر تھے انہوں نے دوسرے دن تمام شاعروں کو نو سرکاری موٹروں میں حیدر آباد بھیجا دیا۔ اُس کل ہند مشاعرہ میں حسرت جتے پوری اور منیا فاضی نے بھی شرکت کی تھی مشاعرہ میں تاخیر سے پہنچنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ راستے میں ویان کے سپیوں سے چنگاریاں نکلنے لگی تھیں۔ ویان درست کرنے کے لئے کافی وقت لگا تھا شاعرات میں ڈاکٹر اشرف رفیع اور اُن کی بہن زبیدہ رعنا بھی مدعو تھیں۔ ہم برس پہلے اسٹینلی گرلز اسکول میں ایک عظیم الشان کل ہند مشاعرہ ہوا تھا یہ اُن دنوں کی بات ہے جب میں شعر و ادب کی محفلوں سے زیادہ مانوس نہیں تھا مجھے شعر سننے کا بہت شوق تھا میں شہ نشین کے قریب ہی بیٹھا رہا۔ اس مشاعرہ میں شاہد صدیقی بھی موجود تھے مشاعرہ یہ کسی بات پر سکندر علی وحید اور شاہد صدیقی میں تکرار ہوئی تھی۔ اُس مشاعرہ میں پاکستان کی ایک شاعرہ سحاب قریشی بھی موجود تھیں۔

کسی شاعر نے ان کے ساتھ کچھ چھٹیر چھاڑ کی تھی جس پر وہ ہر دم ہو کر مشاعرہ
 سر پر اٹھا لیا تھا مشاعرہ بگڑتے بگڑتے رہ گیا جوش صاحب نے اپنی
 مشہور نظم ہائے جوانی ہائے زمانے سنا کر مشاعرہ کو آسمان پر پہنچایا تھا
 حیدر آباد کی ایک طوائف جس کا مکان محبوب کی مہندی کے مخمور
 علاقے سے ذرا ہٹ کر تھا شاہد صاحب کی دوست تھی۔ شاہد صاحب
 سے اس کے لیے حد قریبی مراسم تھے شاہد صاحب اکثر اس طوائف کے پاس
 جاتے تھے پرنس معظم جاہ شہجیہ کے دربار شاعری سے بھی شاہد صاحب کی کو
 بھر پور واسطہ رہا ہے۔ کئی راتیں شاہد صاحب کی پرنس معظم جاہ شہجیہ
 کے دربار شاعری کی نذر ہو گئیں۔ پرنس معظم جاہ شہجیہ کے محفل میں رات
 رات بھر جاگ کر ان کی صحت جواب دے چکی تھی زندگی کے آخری دنوں میں
 پرنس کے پاس وہ بہت کم جاتے تھے۔ اُس دربار شاعری سے جوش،
 فانی، خمار کے علاوہ حیدر آباد کے شاعروں میں ادج یعقوبی اور خواجہ شوق
 وابستہ رہے ہیں۔ شاہد صاحب کو میں اس لئے بھی نہیں بھول سکتا کہ
 میری ابتدائی شاعری کے زمانے میں انہوں نے مشاعرہ میں میری
 سرپرستی کی تھی۔ اکثر مشاعروں کے انعقاد میں ان کا دخل رہتا تھا۔
 مجھے مدعو کیا کرتے تھے۔ نمائش کلب کے مشاعروں میں ہر سال مدعو کرتے
 تھے۔ شاہد صاحب کے انتقال کے بعد علامہ حیرت بدایونی نمائش کلب
 کے مشاعروں کی معتمدی کے لئے منتخب کئے گئے تھے علامہ کے بعد سے میں معتمد
 مشاعرہ کی ذمہ داری نبھا رہا ہوں گذشتہ ۲۵ برس سے نجی علامہ کے انتقال

کے بعد سے بلا وقفہ میں معتد مشاعرہ کے قرائن انجام دے رہا ہوں۔ نمائش
 کلب کے ارباب مجاز کے علاوہ میرے کرم فرما سیاست کے سیمینر صحافی
 جناب ہاشم سعید صاحب کی شخصی دلچسپی کی وجہ سے بھی میں معتد مشاعرہ
 کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دے رہا ہوں۔ جناب احمد حسین صاحب
 اور خاص طور پر محی الدین جیلانی صاحب کو میری ذات سے خاصی
 دلچسپی ہے شہر کے بہت سے شاعروں کو شاید صاحب کی شاعرانہ سرپرستی
 حاصل تھی ممتاز شاعر رئیس اختر بھی اُن میں شامل ہیں۔ شاید صدیقی
 کی میرے دل میں بے حد قدر و منزلت ہے ہمیشہ میں اُن کا نام احترام
 کے ساتھ لیتا ہوں۔ —

علامہ قدر عریضی

عالی قدر، ماہر علم عروض، مہتمم استاد سخن

مجھے یہ نہیں معلوم کہ میرے استاد علامہ قدر عریضی صاحب کو کس محترم استاد سخن سے شرفِ تلمذ حاصل تھا لیکن یہ روایت یہ ہے کہ ہر شاعر کا کوئی نہ کوئی استاد ہوتا ہے بہت کم ایسے شاعر ہوں گے جنہوں نے اپنے کلام پر کسی سے بھی اصلاح نہ لی ہو۔ حضرت قدر عریضی کے ہم عصر شاعروں میں علامہ نجم آفندی، مولانا کامل شطاری، حضرت تاج فربشی، حیدر پاشا، سیف خموی، احمد علی شاہ، مولانا معز ملتانی اور اوج یعقوبی جیسے جید اسناد شاعر تھے۔ علامہ قدر عریضی غزلیں بھی کہتے تھے رباعیاں بھی، لغتیں بھی، منقبتیں اور سلام بھی۔ فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔ قدر صاحب بہت ہی گرجدار تھے۔ انہوں نے کلام سناتے تھے قدر صاحب اپنے شاگردوں کے کلام پر فی الفور اصلاح دیتے تھے قدر صاحب کے شاگردوں کی کثیر تعداد ہے مشہور شاعر فرساحری (پاکستان) بھی قدر صاحب کے

شاگرد رہے ہیں مجھے بھی قدر صاحب کا شاگرد رہنے کا اعزاز حاصل ہے
 میری شاعری کے ابتدائی زمانے میں شہر کی کئی انجمنوں کے زیر اہتمام طرحی و
 غیر طرحی مشاعرے ہوتے تھے قدر صاحب اپنے شاگردوں کو
 فی البدیہہ شعر کہنے کی مشق کراتے تھے کہتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ شعر کہو
 لیکن بیاقص میں منتخب شعر ہی رہنا چاہیے۔ مشق کے دوران بہت سے
 شعر بھرنی کے ہو جانے ہیں قافیہ پیمائی یوں ہی ہے اچھے شعروں کی تعداد
 کم ہی رہتی ہے اکثر اتوار کے دن میں قدر صاحب کے دولت خانہ جایا
 کرتا تھا۔ قدر صاحب کا دولت خانہ باغ فریدون جاہ (جسینی علم) میں
 واقع تھا میں قدر صاحب کے ایسے شاگردوں سے بھی واقف ہوں جو صرف
 تخلص کے گنہ گار ہیں۔ میں غالباً دس بارہ برس تک قدر صاحب کے تلامذہ
 میں شامل رہا۔ قدر صاحب کے شاگردوں نے قدر ادب کے نام سے ایک
 انجمن بنائی تھی جس کے زیر اہتمام ہر ماہ پابندی سے مشاعرے ہوا کرتے تھے
 ان کے ایک سینئر شاگرد جناب فرید الدین محمد انجمن تھے قدر ادب کے
 زیر اہتمام زیادہ تر طرحی مشاعرے ہوتے تھے شہر کے تقریباً ۳۰، ۳۵ شاعر
 مشاعرہ میں شریک رہتے تھے۔ میں نے علامہ نجم آفندی، کامل شطاری، حضرت
 تاج قریشی، سیف حموی کو بھی قدر ادب کے مشاعروں میں سنا ہے۔ ایک
 اور انجمن اتحاد الشعراء کے نام سے تشکیل پائی تھی جس کے صدر علامہ نجم آفندی
 تھے جس کا باضابطہ الگ الگ ہونا تھا مجھے محمد اتحاد الشعراء منتخب کیا گیا
 تھا اس انجمن کے تحت نہایت پابندی سے مشاعرے ہوتے تھے قدر صاحب

کی سرپرستی میں بزم سعدی کے نام سے بھی فارسی کی انجمن قائم ہوئی تھی جس کے مشاعرے قدر صاحب کے مکان پر ہوتے تھے قدر صاحب صدر انجمن تھے قمر سحری مفتداور میں شریک مفتدا تھا اس میں بہت سے شاعر فارسی میں بھی کلام سناتے تھے ڈاکٹر طاہر علی صاحب مسلم بھی مشاعرے میں شرکت فرماتے تھے بزم سعدی کئی برس تک کام کرتی رہی۔ قدر صاحب کے تین مجموعہ کلام شائع ہو چکے ہیں کلام شروع کرنے سے پہلے بحر کے اوزان کچھ دے دیے ہیں۔ قدر صاحب کے تین شعری مجموعے شائع ہوئے ہیں اُس زمانے میں میں اپنا کلام اوج بعقوبی صاحب کو بھی دکھاتا تھا لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ قدر صاحب کا نصیحت شدہ کلام اوج صاحب کو دکھایا ہو۔

قدر صاحب اُن کے شاگردوں کی سادہ چائے (بغیر دودھ کے) سے تواضع کرتے تھے بہت ہی عمدہ چائے ہوتی تھی اپنے گھر کے مشاعروں میں سادہ چائے سے ہی شعراء و سامعین کی تواضع کرتے تھے۔ قدر صاحب ماہر علم عروض تھے اپنے شاگردوں کو شعر کی تقطیع کرنے کا طریقہ بتایا کرتے تھے لیکن اُس وقت بھی تقطیع کرنے کا رواج بہت کم تھا صرف واقفیت کی حد تک علم عروض کے بالیے میں تبتلاتے۔ اوج بعقوبی صاحب نے کبھی بھی علم عروض اور شعر کی تقطیع کرنے کی بات نہیں کی۔ ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی۔ مشق کرتے کرتے شاعر خود وزن میں شعر کہتا ہے جو شاعر اساتذہ سخن سے کلام لکھوا لیتے تھے انہیں نہ تو مشق سخن کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ اچھے بُرے

کلام کی فکر نہ تھی۔ استاد سے جو کچھ حاصل کرتے۔ مشاعروں میں سناتے
 قدر صاحب کا کلام کافی پسند کیا جاتا تھا۔ آداب شعر گوئی اور
 زبان و بیان کا خاص خیال رکھتے تھے مشاعروں میں بڑے اہتمام سے
 شرکت کرتے تھے میں قدر صاحب کی وساطت سے پُرانے شہر کے بہت
 سے مشاعروں میں مدعو کیا جاتا تھا اشعار اور ترنم دونوں کی پذیرائی
 ہوتی تھی جب قدر صاحب حج بیت اللہ شریف کی سعادت حاصل
 کر کے لوٹے تو غزل کہنا چھوڑ دی۔ نعین اور منقبتیں کہتے
 رہے میں نے محسوس کیا کہ حضرت تاج ترشی ان کے بہت ہی قریبی
 دوست ہیں سبف جموی سے بھی ان کے اچھے خاصے مراسم تھے مولانا کامل
 سبطاری سے ان کے قریبی رشتہ داری تھی مولانا کامل کی رہائش گاہ پر
 پابندی سے ہر ماہ ہونے والے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے میں
 بھی مدعو رہتا تھا اُس زمانے میں علامہ نجم آفندی کے ایک خاص شاگرد
 ساجد رضوی تھے جو میرے بہت اچھے دوست تھے بہت اچھے شاعر تھے
 بہت ہی عمدہ ترنم میں شعر سناتے تھے اُس دور کے نوجوان شاعروں
 میں ان کا کلام کافی پسند کیا جاتا تھا نجم صاحب کے شاگردوں میں
 جہان تک میری معلومات ہیں خاور نوری، ساجد رضوی، ڈاکٹر صادق
 رضوی، اشرف غوری مشہور شاعر ہیں جو شہر میں ہونے والے چھوٹے مشاعروں
 کے علاوہ شہر کے بڑے بڑے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے ڈاکٹر
 صادق لغوی اور اشرف غوری اتنے ہی شاعر شرکت کرتے ہیں مگر کامل

عبد مولانا کامل شطاری کے خاص شاگردوں میں سے تھے یا بیدی سے
 فذر ادب اور اتحاد الشعراء کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے منظر کامل
 پاکستان چلے گئے۔ قمر سحری تو بہت پہلے پاکستان چلے گئے قدر صاحب
 کے ایک شاگرد عارف بیابانی بھی تھے جو نعتیہ و منقبتی مشاعروں کے
 اہتمام میں بڑی دلچسپی لیتے تھے ان کے سیر میں لنگ تھا اس کے
 باوجود مشاعرہ میں موجود رہتے تھے یہ حضرت کسی ایک جگہ جم کر نہیں بیٹھتے
 تھے بعض معاملات میں نمایاں کردار ادا کرتے تھے قدر صاحب کے شاگردوں
 میں فرید صاحب ایک وفادار شاگرد ہیں قدر صاحب کا بہت خیال
 رکھتے تھے اکثر اوقات قدر صاحب کے ساتھ مشاعروں میں شرکت
 کرتے تھے قدر صاحب کا کلام بہت عمدہ پاک و صاف ہوتا تھا۔
 مشاعروں میں خوب رنگ جاتے تھے اُس دور میں علامہ نجم آفندہ
 مولانا کامل شطاری، قدر عریضی حضرت تاج قریشی کا بیڑا شہرہ تھا
 یہ چار شاعر ہم پلہ تھے لیکن ہر شاعر کی اپنی ایک انفرادیت تھی نجم آفندہ
 کامل شطاری اور تاج قریشی تحت میں کلام سناتے تھے مگر قدر صاحب
 ترنم میں سناتے۔ قدر صاحب نے رباعیات کے مشاعروں کی بنیاد ڈالی تھی
 رباعی کے مشاعرے کئی برس جاری رہے اُس دور میں کئی شاعروں نے رباعی
 کہنی شروع کی تھی جس طرح یزید سعدی کے قیام کے بعد کئی شاعروں نے فارسی
 میں کلام کہنا شروع کیا تھا۔ رباعی کے مشاعرے قدر صاحب کے مکان پر ہوتے
 فذر ادب سالانہ تقریب میں ڈاکٹر سعید فی الدین قاری راور رائے سہیل پوری

(اُمی لے ایس) نے بھی شرکت کی تھی۔ اُس زمانے میں دعوتِ نامہ ضرور چھپوا جاتے تھے۔ لہذا جو ان شعراء کو اگر کسی مشاعرہ کا دعوت نامہ ملتا تو وہ بہت خوش ہوتے تھے۔ علامہ نجم آفندی کے زیرِ انتہام چلنے والی انجمنِ زاویر آباد کے علاوہ مولانا کامل کے زیرِ انتہام ہونے والے مشاعروں میں بھی پابندی سے شرکت کیا کرتے تھے۔ میری ابتدائی شاعری کے زمانے میں مالی و مالیات (پنچہ شاہ) میں ایک شاندار مشاعرہ ہوا تھا۔ ہمارے کرن کے والد محترم راجہ قیوب کرن نے صدارت کی تھی اُس وقت کی ایک یادگار تصویر میرے ہاں موجود ہے مجھے یاد ہے کہ میں نے اُس مشاعرہ میں یہ غزل سنائی تھی۔

تمھارا ہی لب و لہجہ ہمیں محسوس ہوتا ہے

صلاح الدین نیر جب غزل اپنی سناتے ہیں

وہ طرعی مشاعرہ تھا اس دور کے اساتذہ کا یہ وتیرہ تھا کہ وہ ہونا نہ شاگردوں کی برسرِ مشاعرہ ہی حوصلہ افزائی کو نہ تھے اور ہر استاد کے دو تین شاگرد ہمیشہ اُن کے ساتھ رہتے جن پر اساتذہ سخنِ فخر محسوس کیا کرتے تھے فخر صاحب ایک بلند مرتبت شاعر تھے لیکن جب اُن کے کلام پر انہیں داد ملتی تو جھوم جھوم کر کلام سناتے تھے۔ انتہائی وضع دار شاعر تھے ساری زندگی پاک فضا کے داغ آئینوں کی طرح گزاری۔ نام و نمود کی کبھی آرزو نہیں کی۔ اُس دور کے بڑے مشاعروں میں اساتذہ سخنِ کم کم دکھائی دیتے تھے البتہ علامہ نجم آفندی بعض بڑے مشاعروں میں موجود رہتے تھے ہر شاعر کا کلام سنانے کا انداز بھی الگ ہوتا تھا نجم صاحب کلام سناتے تو سارے سامعین

متوجہ ہو جاتے۔ اگر کوئی خاص شعر ہو تو کہتے جہاں جہاں حضرات ہیں
 اور جہاں جہاں تک میری آواز پہنچ رہی ہے شعر پڑھتے وقت مساری
 محفل پر نظر رکھتے۔ قدیم مشاعروں کی روایت میں آداب محفل کا بڑا
 لحاظ رکھا جاتا تھا جب کبھی کوئی استاد شاعر محفل میں داخل ہوتے تو شہنشین
 کے قریب بیٹھ ہوئے تمام شاعر کھڑے ہو جاتے اور ان کے بیٹھنے کے بعد
 ہی بیٹھ جاتے تھے۔ ہر استاد کا شاگرد اپنے استاد کے ہم عصر استاد شاعر
 کا انتہائی احترام کرتا تھا۔ میں نے بھی دیکھا ہے کہ اس دور کے اساتذہ کرام
 نہایت فرخ دل اور کھلے ذہن کے حامل تھے نوجوان شاعروں کی حوصلہ افزائی
 کرتے تھے اچھے اشعار پر داد دیتے تھے جب خود کلام سناتے تو صدر مشاعرہ
 کے علاوہ اپنے ہم رتبہ شاعروں کو جو رتبہ نشین کے قریب رہنے انھیں
 بھی مخاطب کرتے ہوئے شعر سناتے تھے جس سے نہایت ہی خوشگوار
 قضا رہتی۔ مشاعرہ شروع ہونے سے پہلے شعراء و سامعین کی نواضع
 کی جاتی تھی میں نے بعض ایسے با ذوق سامعین کو بھی دیکھا ہے جو ہر مشاعرہ
 میں موجود رہتے تھے اب مشاعروں کی وہ روایتیں دم توڑ چکی ہیں اب
 بھی مشاعرے ہوتے ہیں لیکن وہ بات نہیں رہی بہت کم بدلتی گئی ہے
 ہمارے شہر کے اساتذہ سخن نے اخباروں اور رسالوں سے اپنے
 کلام کی اشاعت کے لئے بہت کم توجہ دی جس کی وجہ سے ملک بھر کے ادبی
 حلقے بہت سے اساتذہ سخن کے نام سے بھی واقف نہیں ہیں۔ البتہ
 علامہ نجم آفندی کا نام ادبی رسالوں کی زینت بنا رہا تھا ادبی حلقے ان کے نام

سے خوب واقف ہیں۔ مولانا کا کل ترانے نعتیہ کلام کی وجہ سے شہرت پائی
 گذشتہ کچھ برسوں سے شہر کی جامعات میں ہمارے اساتذہ سخن کی
 شاعری کے اعتراف میں ایم فیل کے لئے مقابلے لکھ جا رہے ہیں لیکن جاکے
 ہیں۔ بعض تو ایسا اساتذہ سخن بھی ہیں جن کا کلام تاحال کتابی شکل
 میں منظر عام پر نہیں آیا۔ جس کی اشاعت پر توجہ کی ضرورت ہے
 قدر صاحب جیسے و ستار اساتذہ سخن کے ذکر سے ہی محسوس
 ہوتا ہے گا کہ ہمارے شہر میں ہر دور میں یا کمال صاحبان علم و عرفان
 رہے ہیں۔ قدر علیٰ صبی صاحب کا نام بھی ایک استاد سخن کی حیثیت سے
 سے خاص طور پر ہمارے شہر کے شعری و ادبی محفلوں میں لیا جاتا ہے گا۔

خورشید احمد جاتی

جدید لفظیات کے باکمال و پُر وقار شاعر

ہمارے شہر میں اگر یہ چلن عام ہو جائے کہ ناقابلِ فراموش شاعروں کا نام سنہری حرفوں میں لکھا جائے تو ان میں ایک روشن نام خورشید احمد جاتی کا بھی رہے گا۔ خورشید احمد جاتی اپنی منفرد شاعرانہ طرزِ فکر کی وجہ سے اردو شعر و ادب میں ایک چمکے ہوئے نور کی طرح رہیں گے۔ فکرو فن کے آئینے میں خورشید احمد جاتی کا ایک ایک شعر تار و دھات کے ہجوم میں کہکشاں کی طرح چمکنا رہتا رہے گا۔ صاحب کی شاعری اپنی مخصوص پہچان کے ساتھ باقی رہے گی۔ بلند مقامِ اعلیٰ درجہ کے قلم کار (شاعر و ادیب) جن کی تحریروں اور شاعرانہ عظمت کے سبب دامانِ فکر و خیال ہمک رہے ہوں ان کو نوجوان پیش کرنا ان کے دور میں اور ان کی بعد کی نسلوں کے لئے ایک ایسی ذمہ داری ہے جس کو پورا کرنا ہر ایماندار اہل قلم کا فرضِ اولین ہے۔ خورشید احمد جاتی بنیادی طور پر کلاسیکی غزل کے شاعر ہیں۔ ان کا ابتدائی کلام اساتذہ سخن کے

اسکول کی ترجمانی کرتا ہے لیکن اچانک اُن کا اسلوب شاعری بدل گیا اور کچھ ایسے جدید شعر کہنا شروع کیئے کہ ساری اردو دنیا چونک گئی۔ جاتی صاحب کی جدید شاعری ہر اُس یا شعور شاعر کے لئے سرمۂ نظر بن گئی جو اس طرح کی روشنی کے برسوں سے منتظر تھے جاتی صاحب کے اس منفرد شاعرانہ اسلوب سے پہلے ہندوستان اور پاکستان میں شاید ہی کوئی ایسا شاعر رہا ہو جو اُن کی شاعرانہ بصیرت کا ہم مزاج ہو۔ جب ادبی حلقوں میں جاتی صاحب کے کلام کی شہرت عام ہوئی تو جدید قدیم شاعروں اور ادیبوں میں ان کا کلام اور شاعری پڑھنے کی خواہش ہونے لگی۔ جاتی صاحب کی شاعرانہ قدرت و منزلت کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اُن کے مجموعۂ کلام رِخا رکھر، برگِ آوارہ اور یادِ خوشبو کا مطالعہ کیا جائے۔ خورشید احمد جاتی رسائل اور کتابوں کے شاعر ہیں یعنی ان کی پہچان شاعروں کی معرفت نہیں ہوئی ادبی رسائل اور معیاری اخبارات میں کلام کی اشاعت کے علاوہ ان کے شعری مجموعوں کی بدولت ان کی شہرت ہوئی۔ یہ اور بات ہے کہ وہ شہر کے بعض مخصوص محفلوں میں کلام سناتے تھے۔ میرے خیال میں جاتی صاحب نے کوئی ایک بھی کل ہند شاعرہ نہیں پڑھا۔ چاہے وہ حیدرآباد میں مستعد ہو یا ہونگا یا کسی اور شہر میں۔ خورشید احمد جاتی کی غزلوں کی معرفت ہی میں ان تک پہنچا۔ جاتی صاحب سے میں اپنی ابتدائی شاعری کے زمانے میں واقف نہیں تھا میر نے ان کا کلام

بھی نہیں سنا تھا۔ اُن دنوں میں اُن ہی شاعروں سے واقف تھا جو
 قنبر کے چھوٹے بڑے شاعروں میں کلام سنانے تھے جب جاتی صاحب
 کا نام شہر کے شعری و ادبی حلقوں میں کچھ زیادہ ہی گونجنے لگا تو میرے
 دل میں بھی جاتی صاحب سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا دلیسے میں "سیاست"
 میں اُن کا کلام پڑھنا تھا۔ آج سے ۳۴ برس پہلے جب میں اپنے
 شاعر دوستوں (ریس اختر اور ناکر نول وغیرہ) کے ساتھ مدینہ ہوٹل
 کی دوسری منزل (ایڈوکیٹ ہال) میں بیٹھا کرتا تھا اُس ہوٹل میں
 جاتی صاحب کو ہمیشہ ایک خاص کیمین میں دیکھنا تھا جاتی صاحب مدینہ ہوٹل
 کی دوسری منزل پر اپنی ایک مخصوص نشست پر بیٹھے رہتے۔ اُن کے اُس
 پاس کوئی شاعر یا اُن کا کوئی ایک مدارج یا دوست ضرور ہوتا۔ میں
 جب پہلی دفعہ اُن سے ملا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے چائے
 سے تواضع کی۔ میرے بارے میں واقف تھے کہنے لگے میں تمہارے نام
 سے واقف ہوں "سیاست" میں تمہاری غزلیں پڑھنا ہوں۔ جاتی
 صاحب اپنے احباب اور اپنے ملنے والوں کی چائے سے تواضع کرتے تھے
 میرے ساتھ بھی وہ مشفقانہ سلوک کرتے تھے۔ مجھے اُن دنوں معلوم ہوا
 تھا کہ جاتی صاحب کے خاص شاگردوں میں خیرات ندیم صاحب کا نام سرِ فہرست
 ہے جاتی صاحب انتہائی مروت پسند، محنت شناس، شاعر تھے نوجوان
 شاعروں کی حوصلہ افزائی میں وہ قراخ دل واقع ہوئے تھے ریس اختر
 اور میری شاعری کو بہت سراہتے تھے ایسے شاعر جو مشاعروں کے قبیلے سے

تعلق رکھتے ہیں ان کے بارے میں کہتے کہ سوم فیل، چہارم فیل ہیں مگر لخص کے
 ساتھ آتے ہیں (تضحیک آمیز انداز میں لخص کہتے تھے) جاتی صاحب کا یہ خیال
 تھا کہ اگر کوئی لخص شاعر نہیں ہے تو اس کو شاعری کرنے کا کیا حق ہے ایسے
 لوگوں کو کوئی اور کام کرنا چاہیے اگر جاتی صاحب کو کسی شاعر کا کلام پسند نہ آتا
 تو کہتے تھے، گھانا بٹ ہے۔ جاتی صاحب کی ہزارہ غزل سیاست میں نمایاں
 طور پر اذاریہ کے چیمپ شائع ہوتی تھی ان کے سارے کلام کو محفوظ رکھنے کا
 اہم کام ان کے خاص شاگرد رشید محمود خاؤر کے ذمہ تھا (جو ان دنوں
 پاکستان کے شہری ہیں) محمود خاؤر کی شخصی دلچسپی ہی کی وجہ جاتی صاحب کے تینوں
 شعری مجموعے ”رخسارِ سحر“ ”برگِ آوارہ“ اور ”یاد کی خوشبو“ شائع ہو سکے۔
 میری معلومات کی حد تک جاتی صاحب کے خاص شاگردوں میں حب ذیل چار
 نام اہم ہیں رئیس اختر، پرنس نقی علیخان شاقب، محمود خاؤر اور عظمت عبدالغفور
 عنایت عبدالقیوم اپنے اسناد کا بڑا احترام کرتی تھیں جاتی صاحب کے
 شاگردوں میں اوج بعقوبی، خیرات ندیم شاید ان کے زیادہ قریب تھے
 اُس دور کے نئے شہر کے اہم شاعروں میں علامہ حیرت بدایونی، مخدوم فی الدین
 شاہد صدیقی، سلیمان اریب، وحید اختر، اوشاد شمس الدین، غنی بیگم، ان کے شاگرد
 ردا بٹ تھے۔ جاتی صاحب کہتے تھے کہ بعض شاعر اس بات کے لئے کوشاں رہتے ہیں
 کہ وہ شاعروں کی دنیا سے بہت دور رہیں۔ شاید یہ وجہ تھی کہ جاتی صاحب
 بڑے شاعروں میں مدعو نہیں رہتے تھے۔ جاتی صاحب شہر کے بعض مخصوص
 شاعروں میں کلام سناتے تھے ان دنوں نقی علی خان شاقب کے پاس شاعر

ہوا کرتے تھے جاتی صاحب لازماً ان مشاعروں میں شریک ہوتے بعض مشاعروں میں، میں نے بھی شرکت کی ہے۔ میں اور رئیس آخر جاتی صاحب سے گاہے گاہے ملا کرتے تھے جاتی صاحب کی رہائش سلطان پورہ میں تھی لیکن وہ صبح مدریسہ ہوٹل میں اور شام میں اور سینٹ ہوٹل میں بیٹھا کرتے تھے۔ کہیں ملازم نہیں تھے جی چاہتا تھا کہ جب کبھی فرصت ملے جاتی صاحب کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہیے۔ جیسے ہی میں اُن کے پاس پہنچتا۔ علیک سلیک کے بعد چائے کے لئے اگر ڈر دیتے۔ تواضع کا یہ طریقہ کار ہر شاعر و ادیب کے ساتھ علیحدہ علیحدہ رہتا تھا۔

میں جاتی صاحب کی شاعری سے بے حد متاثر تھا اور جب اُن سے میں نے پرسنا کہ شہر کے کچھ شاعر، مشاعروں میں ان کی شرکت کے لئے رُکاوٹ بنے ہوتے ہیں تو یہ طے کیا کہ کیوں نہ انھیں شہر کے بڑے مشاعروں میں مدعو کیا جائے چنانچہ میں اور رئیس اختر نے جاتی صاحب کو صنعتی نمائش کے دوران نمائش کلب میں منعقدہ ایک مشاعرہ میں کلام سننے کے لئے اصرار کیا تھا وہ بہ مشکل شرکت کے لئے راضی ہو گئے۔ ہم تینوں مشاعرہ میں شرکت کے لئے نکل پڑے اُس مشاعرہ میں میں اور رئیس اختر بھی مدعو تھے راستے میں عثمان گنج کے روبرو ایک مشہور (شراخاڑ) محلہ یا رہیں جاتی صاحب نے چاہا کہ دم لیں۔ ہم نے ان کا ساتھ دیا لیکن ہم دونوں شریک جام و مینا نہیں پئے اُس شرب خانے سے اُنہ کہ ہم مشاعرہ گاہ (نمائش کلب) پہنچے۔ نمائش کلب سامعین سے کچھ بھرا ہوا تھا مشاعرہ شروع ہو چکا تھا جیسے ہی ہم جاتی صاحب کو ساتھ لئے

مذہبین پر بیٹھ گئے تمام شاعروں کی نظر جاتی صاحب پر ٹک گئیں بہت سے
 شکر کا سے محفل جاتی صاحب سے شخصی طور پر واقف نہیں تھے لیکن ان کے
 کلام سے متعارف تھے مشاعرہ اپنے عروج پر تھا مستند مشاعرہ نے جاتی صاحب
 کو دعوت سن دی۔ جسے ہی وہ اٹھ تالیفوں کی بارش ہونے لگی باذوق
 سامعین جاتی صاحب کی غزلیں شہادت میں پڑھنا کہتے تھے جب جاتی
 صاحب نے کلام سنانا شروع کیا تو بے انتہا داد و تحسین سنا انھیں نوازا
 جانے لگا۔ میں نے اپنے مشاعروں کی زندگی میں کسی شاعر کو اس قدر داد ملنے
 ہوئے نہیں دیکھا پہلے تو جاتی صاحب کے نام کے اعلان کے ساتھ ہی تالیفوں
 سے ہال دیر تک گونجتا رہا۔ جب انہوں نے کلام سنانا شروع کیا تو مشاعرہ گاہ
 کی چھت اڑنے لگی۔ جاتی صاحب کو یہ اندازہ نہ تھا کہ انہیں ان کے کلام
 پر اس قدر داد و تحسین سے نوازا جائے گا جاتی صاحب چاروں سمت مڑ مڑ
 کر داد و تحسین کے سیلاب میں شہر سناٹے رہے۔ جاتی صاحب کی غیر معمولی
 پذیرائی سے میں بہت خوش رہا۔ جاتی صاحب ان دنوں رام کرشنا تھیٹر سے
 (نرب بازار، اردو کلی میں) متصل قادریہ نشین عمارت کے ایک کمرہ میں
 دن کے اوقات میں رہتے تھے۔ میں ان سے وہیں مل لیا کرتا تھا۔ اکثر ریشل خیر بھی
 میرے ساتھ رہتے۔ ہماری خواہش پر جاتی صاحب اپنا تازہ کلام سناتے تھے۔
 شاید ۳۵، ۳۶ سال پہلے کی بات ہے کہ میں بھیدیوانی (ہربانہ) کے ایک کل ہند
 مشاعرہ میں شرکت کے لئے گیا ہوا تھا وہاں کے غیر مسلم شاعروں، نخاص طور پر
 جاتی صاحب کے بارے میں پوچھا تھا اس زمانے میں جاتی صاحب کا پہلا مجموعہ کلام

رخسارِ محشر اُٹھ ہو چکا تھا جس کو انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش نے شائع کیا
 تھا ہندو پاک کے ادبی رسائل کے ذریعہ جاتی صاحب نے تمام ادبی حلقوں کو
 متاثر کیا تھا سیاست اخبار کا جاتی صاحب کے ساتھ ہمیشہ تعاون رہا۔
 خاص طور پر عابد علی خان صاحب، جس کو صاحب جاتی صاحب کے کلام کو بہت
 پسند کرنے لگے تھے امیر احمد خسرو جاتی صاحب کے چھوٹے بھائی تھے خسرو صاحب کے
 چھوٹے بھائی افتخار احمد قابل ہیں جاتی صاحب کے بڑے بھائی نظامی صاحب
 شاعر تھے (یعنی ایسے جہانگیر آفتاب است) ان تمام بھائیوں میں خورشید احمد
 جاتی اور امیر احمد خسرو نے اُردو دنیا میں شہرت حاصل کی۔ جاتی صاحب نے مجر زندگی
 گزاری (انہوں نے شادی نہیں کی) نیتہ نہیں جاتی صاحب کے زیرِ ملاحظہ کو کسی کو کسی
 کتاب میں رہتے۔ یقیناً وہ قدیم و جدید اہم اُچھی لکھی کتابوں کا مطالعہ کرنے لگے
 ہوں گے لیکن ان کی جدید شاعری کے لب و لہجہ کا ان کتابوں سے کوئی تعلق نہیں
 ہے کثرتِ مطالعہ اور اچھی کتابوں کے مطالعہ سے یقیناً انہیں روشنی ملی ہوگی لیکن
 انہوں نے اپنی شاعری کے لئے جو نیا اسلوب اختیار کیا وہ ان کا اپنا ذاتی ہے
 مانگے کا اجمالاً نہیں ہے ان کی فکر کا حامل ہے جو شاعر کل تک کھل سکی شاعری
 ادبیات کا ترجمان تھا اُس کا اچانک ایک نئی شاعری کے ساتھ منظرِ عام پر آنا ایک
 اہم کرشمہ ہی ہو گا۔ جاتی صاحب کے شہر میں بہت ہی کم مخصوص دوست تھے
 غیر شاعر حضرات بھی اکثر ان کے ساتھ دکھائی دیتے تھے تعلیم منشی فاضل تک پائی تھی
 سنا ہے کہ انہوں نے ابتدائی ملازمت محکمہ آبکاری میں کی۔ میں نے اندازہ لگا لیا تھا
 کہ ان کا ذریعہ معاش ان کی شاعری ہے انہیں کہیں نہ کہیں سے اُن کی شاعری

کا نذرانہ مل جانا ہو گا یہ بات مشہور ہے کہ خانوادہ آصفیہ کے بہت سے افراد اُن کی شاعرانہ صلاحیتوں سے مستفید ہوتے تھے۔ جاتی صاحب چاہے بہت زیادہ پیتے تھے پان بھی کھاتے تھے مے نوشی سے بھی اُن کا رشتہ تھا لیکن وہ بلا نوش نہیں تھے مخدوم جی الدین صاحب کا ذکر کرتے تو کہتے ہمارا قافلہ ہے۔ جاتی صاحب کا کلام سلیمان اریب کی ادارت میں شائع ہونے والے ادبی رسالہ صبا میں بھی چھپنا تھا صالحہ الطاف کی ادارت میں شائع ہونے والے ادبی رسالہ خانوں دکن میں بھی شائع ہوتا تھا (جس کا میں مدیر اعزازی تھا) جاتی صاحب میری خواہش پر اشاعت کے لئے اپنا کلام روانہ کرتے تھے ماہنامہ سب رس میں بھی کلام شائع ہوتا تھا پاکستان کے تقریباً تمام رسائل میں خصوصیت کے ساتھ نمایاں طور پر شائع ہوتا تھا جاتی صاحب کے انتقال کے بعد ان کے چھوٹے بھائی امیر احمد خرو نے ان کی یاد کو باقی رکھنے کے لئے ایک ادبی انجمن خورشید احمد جاتی میموریل اکیڈمی کے نام سے قائم کی۔ شاندار پیمانے پر گاندھی بھون میں افتتاحی جلسہ ہوا۔ شہر کے مشاہیر اُردو نے جلسے کو مخاطب کیا۔ ممتاز شاعر جناب رئیس اختر۔ اکیڈمی کے جنرل سکریٹری ہیں جاتی اکیڈمی کے زیر اہتمام ہر ماہ پابندی کے ساتھ امیر احمد خرو کی رہائش گاہ بسیرا گارڈن، سلطان پورہ میں ادبی اجلاس و مشاعرہ ہوا کرتا ہے افتتاحی احمد اقبال صدر اکیڈمی ہیں اور میں مشیر اکیڈمی ہوں۔ اس مجاری اکیڈمی کے ماہانہ جلسوں کی وجہ سے جاتی صاحب کا نام ہر ماہ کئی بار اخبارات کی تربیت بننا رہتا ہے خود شہید احمد جاتی ایک کم آمیز اور لیے نیاز انسان تھے انہیں اپنے نام و نمود اور اپنی شہرت کی کبھی خواہش نہیں ہوئی۔ اُن کا مزاج ہی

کچھ ایسا تھا کہ وہ اپنی ذات کی نشہیر سے گریز کرتے تھے جاتی صاحب کا نام اردو شعروادب میں ہمیشہ جگمگاتا رہے گا۔ ان کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف ہر دور میں کیا جاتا رہے گا۔

مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ ہمارے شہر کے دانشور جاتی صاحب جیسے عظیم شاعر کی عظمت فن کے بارے میں بہت کم سوچا کرتے ہیں ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے شہر کے اعلیٰ مرتبت شاعروں اور ادیبوں کے فن اور شخصیت کا اعتراف کرتے رہیں تاکہ آنے والی نسلیں ہمارے مستحق اقدام کو پسند کریں اور جاتی صاحب کی شاعرانہ عظمت کو سلام کرنے لگیں۔ ۛ

اوج یعقوبی

جید استاد سخن - ملک الشعراء

جید استاد سخن، ملک الشعراء، اوج یعقوبی حیدرآباد کے اُن مستند
اساتذہ سخن میں سے ایک تھے جن کی شاعرانہ عظمت نہ صرف حیدرآباد کی
ادبی فضا پر چھائی ہوئی تھی بلکہ اصلاً کے شاعرانہ ماحول پر بھی اثر انداز تھی
حیدرآباد ہر زمانے میں دانشوروں، ہنرمندوں، طرح داروں اور بلند مرتبت
شخصیتوں کا جتیا جاگتا شہر رہا ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق
رکھنے والے اپنی اپنی صلاحیتوں کا اپنی اپنی محفلوں میں اظہار کرتے رہتے
ہیں بے شمار لائق و فائق لوگوں نے اپنی فکر و دانش، فہم و ادراک
اور اپنے نور بصیرت سے شہر کی دل آویز فضاؤں کو جگمگایا ہے شہر کی
شعری و ادبی محفلوں میں کچھ اور شخصیتیں بھی نمایاں رہی ہیں جن کی
شاعرانہ و ادبیانہ صلاحیتوں کو فرارخ دلی کے ساتھ خراج پیش کیا جانا چاہیے
پہلے دور کی طرح آج بھی ہمارے شہر میں کئی دانشور ایسے ہیں جو اپنے اپنے
حلقوں میں اپنے بہترین فن کا مظاہرہ کر رہے ہیں اس لئے یہ کہنا حق بہ جا

ہے شکر ہمارا شہر ہر دور میں با کمال، صاحبانِ علم و فن کا شہر رہا ہے۔ ہمارے
 شہر کے ایک بڑے شاعر اوج یعقوبی بھی ایک ایسے ہی شاعر تھے جن کی
 شاعرانہ عظمت ہر دور میں پورے اعتماد کے ساتھ خراجِ حاصل کرتی رہی ہے گی
 ہیں اوج یعقوبی صاحب کا شاگرد رہا ہوں۔ مجھے اپنی طالب علمی کے زمانے
 سے ہی شعر و ادب سے دلچسپی رہی ہے۔ مجھے اساتذہٴ شغف کے اچھے شعر یاد
 گونے کا، مشوق تھا شاعری کے ابتدائی دور میں جو کچھ بھی میں کہتا تھا
 اپنی بیاض میں نوٹ کرتا تھا۔ میں کسی استادِ سخن کو اپنا کلام دکھاؤں
 بغیر سناتا تھا۔ مجھے یاد ہے میں نے پہلی دفعہ کسی بزرگ کی عرسِ تقاریب
 کے موقع پر منعقدہ مشاعرہ میں اپنا کلام سنایا تھا۔ اُس مشاعرہ میں مولانا
 کامل شطاری، حضرت فخر علی خاں اور سید امجد علی اور قاضی قریشی موجود تھے
 میرے ایک شاعر دوست نے ایک کم آ میر شاعر محمد افضل سے ملاقات کروائی
 اُن کے ساتھ میں نے کئی کوچوں میں ہونے والے کچھ مشاعرے پڑھے ہیں۔
 ایک دن افضل صاحب نے مشورہ دیا کہ ہم اوج یعقوبی صاحب سے ملاقات
 کریں۔ انہوں نے ملاقات کروائی اور مشورہ دیا کہ ہم اوج صاحب کے ملازمہ
 میں شامل ہو جائیں۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ اچھے استاد کی سرپرستی
 سے شاعرانہ سیر حاصل ہوگی اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اوج صاحب کے شاگرد
 بننے سے پرانا شہر میں ہونے والے مشاعروں میں مدعو کیے جاتے رہیں گے۔
 اوج صاحب اُن دنوں مغل پورہ کان سے منتقل اپنے دوست کی ہوٹل
 میں ملازم تھے کیشن کاؤنٹر پر بیٹھا کرتے تھے۔ اُسی ہوٹل میں اوج صاحب

سے ہماری ملاقات ہوتی تھی اور ہم دونوں اپنا کلام بغرض اصلاح پیش کرنے لگے۔ اُن دنوں ہم دونوں نے اپنا کلام علامہ قدر علی کو بھی دکھلانا شروع کیا تھا۔ یہ یاد نہیں رہا کہ ہم کس کے توسط سے قدر صاحب کے پاس پہنچے تھے۔ اوج صاحب کی اسادی کے زمانے میں ہم نے پیرانے شہر کے بے شمار مشاعرے پڑھے جس سے ہماری شہرت میں روز افزوں اضافہ ہونے لگا۔ اوج صاحب کا طریقہ اصلاح سخن نہایت آسان تھا وہ غیر ضروری طور پر ہماری غزل کے مصرعوں میں اپنے مصرعے جوڑنے کے قائل نہ تھے جہاں بھی ضرورت محسوس ہوتی وہ مصرعوں کو درست کرتے تھے۔ اُس زمانے میں طرحی مشاعروں کا بہت رواج تھا، ہم نے کئی طرحی مشاعرے پڑھے ہیں خاص طور پر اوپہ ادب کے مشاعرے جس کے سربراہ علامہ نجم آفندی تھے۔ مولانا کامل شطاری کی رائے گاہ پر بھی ہر ماہ پابندی کے ساتھ منعقدہ مشاعروں میں بھی ہم کلام سنایا کرتے تھے۔ اُن دنوں مختلف انجمنوں کے زیرِ اہام ہر ماہ پابندی سے مشاعرے ہوتے تھے ہر استاد کے شاگرد مشاعروں میں مدعو رہتے تھے۔ اوج صاحب نے کلام کی اصلاح کے سلسلے میں کبھی بیزاری کا مظاہرہ نہیں کیا۔ غزل کی تصحیح اُسی وقت کرتے تھے اگر وہ مصروف رہتے تو دوسرے دن کہنے کہتے تھے۔ اُس زمانے میں اوج صاحب کا طوطی بولتا تھا اُن کے قریب ترین دوستوں میں خواجہ شوقی کے علاوہ سید شہیدی، راز عابدی اور خیرات ندیم بہت۔ اوج صاحب نے کبھی بھی علم عروض کے بارے میں کچھ نہیں بتایا اور نہ ہی انہوں نے اپنے کسی شاگرد کو علم عروض سے واقفیت کرائی۔ اصرار کیا۔ وہ کہتے تھے شوقی سے یہ خاص سہانگ پیدا ہو جاتا ہے اور شاعر

رماں دواں شعر کہنے لگ جانتے۔ میں نے اپنی ابتدائی شاعری کے زمانے میں
 اوج صاحب کی معرفت شہر کے علاوہ اضلاع کے شاعر سے بھی پڑھے ہیں
 اوج صاحب کے بیسیوں شاگرد ہیں۔ اوج صاحب کا کلام سیاست کے محفل شعر
 میں بھی شائع ہوا ہے۔ سندس ایڈیشن میں بھی برسوں چھپتا رہا ہے۔ اوج صاحب
 سے عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب واقف نہیں تھے۔ سیاست میں
 "شیئہ و تیشہ" کے کلام میں مزاحیہ اشعار شائع ہونے لگے تھے شاید مدلیقی صاحب
 شاعر ریاست کے نام سے شیئہ و تیشہ کالم لکھا کرتے تھے شاہد صاحب جس وقت
 ایک مشاعرہ کے سلسلے میں شہر گئے ہوئے تھے ان کی غیر موجودگی میں اوج صاحب نے ریاست
 کے شیئہ و تیشہ کالم کے لئے شاعر ریاست کے نام سے کچھ شعر لکھ کر ایڈیشن سیاست کے
 نام روانہ کیے جو شائع ہوئے۔ جگر صاحب نے مجھ سے دریافت کیا تھا کہ یہ کون
 شاعر ہے مجھے معلوم تھا کہ وہ شاعر اوج بھٹانی ہیں۔ میں نے یہ کہا تھا کہ اوج صاحب
 پہلے شہر کے استاد شاعروں میں سے ایک ہیں انہوں نے ہی یہ نظم بھیجی تھی۔ پھر میں
 نے جگر صاحب کے کہنے پر اوج بھٹانی صاحب کا تعارف کروایا۔ تعارف کے بعد
 اوج صاحب کی غزلیں، نظمیں، بیانیات کے خصوصی کالموں میں شائع ہوتی
 لائی۔ شاید مدلیقی صاحب کے انتقال کے بعد اوج صاحب شیئہ و تیشہ کالم کے لئے
 ہر ہفتہ اشعار بھیجنے لگے۔ اوج صاحب کو حکومت آندھرا پردیش نے جیک ٹی ایچ
 صاحب پرفیسر تھے ملک الشعراء کے اعزاز سے نوازا تھا۔ پروفیسر میں
 واقع جینی علم گریٹر اسکول کے احاطہ میں زیر انتہام کل ہند مجلس اتحاد المسلمین
 کل ہند مشاعرہ ہوا تھا۔ چیف منسٹر صاحب نے اس مشاعرہ کا افتتاح کیا تھا

اس مشعرہ میں چیف منسٹر صاحب نے اوج بھقوبی صاحب کو ملک الشعراء کے اعزاز سے نوازا تھا۔ اعلان کے بعد سلطان صلاح الدین اویسی صاحب نے چیف منسٹر صاحب کے نام اردو میں ایک خط لکھ کر توجہ دلائی تھی کہ کہ آپ نے ملک الشعراء کا اعلان تو کیا لیکن آرڈر جاری نہیں ہو سکیں ہیں چیف منسٹر صاحب کے لیے جناب خواجہ معین الدین سے کسی کام کے سلسلے میں ملنے کے لئے گیا ہوا تھا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ سلطان صلاح الدین اویسی کا خط طرے میں رکھا ہوا یہ خواجہ معین الدین میرے بہترین دوستوں میں سے ایک ہیں ہم دونوں کی ابتدائی ملازمت ڈائریکٹر کمیونیٹی پروجیکٹ آفس سے شروع ہوئی تھی وہ وہاں ٹاسپسٹ تھے اور میں کلرک۔ سیکریٹریٹ میں بھی ہم دونوں پچاسیت راج ڈپارٹمنٹ میں ساتھ ساتھ رہے۔ خواجہ معین الدین کے اجلاس پر نہ سہارا بیڈی آرٹسٹ سکشن اسٹیر متعین تھے نہ سہارا بیڈی بھی میرے آفس کے ساتھی اور دوست تھے۔ نہ سہارا بیڈی نہ دوران گفتگو مجھ سے کہا۔ یہ اوج بھقوبی کون ہیں؟ ان کے بارے میں اویسی صاحب کا یہ خط پڑھ لو۔ میں نے نہ سہارا بیڈی سے کہا کہ یہ خط بہت اہم ہے فی الفور حکمران تعلیمات کے نام بھیج دو۔ چنانچہ وہ خط چیف منسٹر صاحب کے پیسے کے نوٹ کے ساتھ حکمران تعلیمات کو روانہ کیا گیا۔ ان دنوں اوج صاحب اس کارروائی کے سلسلے میں سیکریٹریٹ آتے رہتے تھے لیکن انہوں نے اپنی کارروائی کے سلسلے میں کچھ نہیں بتایا۔ یہ حکمران تعلیمات کے متعلق سکشن آفیسر مسٹر رادھا کشن جو میرے ہم عہدہ آفیسر تھے ملاقات کی۔ ملک الشعراء کی کارروائی کا ریٹر چیف منسٹر صاحب کے پاس سے سکشن کو پہنچ گیا تھا لیکن کوئی کارروائی نہیں ہوئی تھی منسٹر

رادھا کشن نے وہ لیٹر میرے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ میں اردو نہیں جانتا۔
 انگریزی میں ٹرانسلیشن کروائیے۔ میں نے محکمہ قانون کے اپنے ایک دوست
 عبدالغفار اسٹنٹ سکشن آفیسر سے ترجمہ کروایا اور بہ حیثیت گزٹیفڈ آفیسر
 میں نے اُس پر دستخط کئے۔ اس کے بعد کارروائی کا آغاز ہوا۔ میں نے نہایت
 خاموشی کے ساتھ جی۔ او جاری کروایا۔ میں نے اس کام کی کوئی تشہیر نہیں کی
 اس لئے کہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ شہر کے کچھ شعراء جی۔ او کے خلاف کورٹ سے STY
 لانے والے ہیں۔ تقریباً ۸ بجے شب جی۔ او جاری کروایا گیا اور میں سکریٹریٹ
 سے سیدھے آل انڈیا ریڈیو بیورو چلا اور ملک الشعراء کے نام کا اعلان کروایا۔

اخبارات میں بھی ملک الشعراء کی اطلاع پھیلوائی گئی۔ میرے تکان کدو کاوش
 سے اوج صاحب نے خوش ہوئے۔ کچھ عرصہ تک اوج صاحب ملک الشعراء
 رہے لیکن ان کے انتقال کے بعد کوئی اور ملک الشعراء کا اعتراف نہ پاسکا۔

اوج بغفوی صاحب نہ صرف غزل کے اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے بلکہ ان کا مزہ بھی
 کلام نعتیں، منقبتیں بھی اعلیٰ سبب کی ہیں اوج صاحب کا مجموعہ کلام ہمیں
 ہیں گرفتِ نظر، غنیمت لب بستہ اور نعتوں اور منقبتوں کا مجموعہ (اوج)
 عرشِ اوج صاحب کے شاگرد اطہر شرفی اور زیر کشرنی کی زیر نگرانی شائع
 ہوا۔ اوج صاحب بھی برسِ معلّماء شمع کے شاعرانہ دربار سے عرصہ دراز تک
 وابستہ رہے۔ اوج صاحب کی زندگی نہایت تنگ دستی کے عالم میں گزرتی
 رہی۔ وہ کہیں بھی ملازم نہیں رہے۔ شہر کے اساتذہ سخن میں اہم مقام
 رکھتے تھے اوج صاحب کا کلام حاصلِ مشاعرہ رہتا تھا ادبی ٹرسٹ اور

شکرچی مشاعرہ کے اہم ترین میزبان شاعر رہتے۔ جم کر شعر سناتے تھے
 نعت اللفظ میں شعر سناتے تھے سننے کا انداز منفرد تھا سارے مشاعرے
 پر چھلاتے تھے۔ کئی ہند مشاعروں کے علاوہ اضلاع کے مشاعروں میں
 شرکت کرتے تھے رسائل میں کلام شائع نہیں کرواتے تھے اس لئے
 ملک کے ادیب و شاعر اوج یعقوبی صاحب سے بہت کم واقف ہیں
 اوج صاحب جہاں اعلیٰ درجہ کی شاعری کرتے تھے وہیں وہ بہت عمدہ
 نثر بھی لکھتے تھے۔ اوج صاحب کی کم آمیز کہنے ملک کے ادبی حلقوں
 سے انہیں دُور رکھا۔ سیاست اختیار نے اوج صاحب کی حوصلہ افزائی
 کی۔ اوج صاحب کے فن پر تبصرہ کے لئے جگر صاحب نے نظامِ کلب میں
 زیرِ صدارت علامہ حیرت بدایونی ایک جائزہ اجلاس رکھا تھا مبصرین
 میں میر حسن صاحب سابق ڈائریکٹر آل انڈیا ریڈیو بھی تھے اس محفل کا
 کنوینیر ہیں تھا سیاست کے زیرِ اہتمام اس طرح کے بیسیوں اجلاس مختلف
 موضوعات پر منعقد کئے جاتے رہے ہیں سیاست میں کئی برس پہلے اچھے
 اشعار کے زیرِ عنوان اشعار شائع ہوتے رہے۔ اچھے اشعار کی اشاعت
 کا سلسلہ ۳۴ سال تک جاری رہا۔ اس کالم کی ترتیب میرے ذمے تھی۔
 پہلے میں ایک بار بہترین اشعار کے انتخاب کے لئے مجلس کا اجلاس ہوتا تھا
 اوج صاحب بھی جج کے فرائض انجام دے چکے ہیں۔ طریقہ کار کے لحاظ سے
 انعام کے اعلان کے ساتھ مجلس کی تصویریں شائع ہوتی تھیں اوج صاحب
 حضرت بنے میاں (اورنگ آباد) کی سالانہ عرس شریف تقاریب کے

مشاعروں میں پابندی کے ساتھ شرکت کرتے تھے ان کا انتقال عرس شریف کے مشاعرہ کے دوسرے دن اورنگ آباد میں ہوا۔ انھیں حیدرآباد میں مسجد الہی چادر گھاٹ کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

حکومت آندھرا پردیش نے اوج صاحب کو ملک الشعراء قرار دیا لیکن ملک الشعراء کے اعزاز سے وہ زیادہ عرصہ تک استفادہ نہ کر سکے اوج صاحب کی شاعرانہ خدمات کے اعتراف میں کھم میں جمن اوج یعقوبی شاندار پہیلے پر منایا گیا جناب سکندر حسن معتمد الحسن ترقی اردو کھم کی شخصی دلچسپی کی وجہ یہ تقریب منعقد ہوئی۔ سکندر حسن اضلاع کے شاعروں میں ایک نمائندہ شاعر ہیں غالباً اوج صاحب سے انہوں نے مشورہ سخن کیا تھا۔ اوج صاحب ایک زمانے میں (۳۵ برس پہلے) ہوٹل تفریح کتا واقع قریب نیابل شام کے وقت بیٹھا کرتے تھے۔ وہاں میں نے کئی بار اُن سے ملاقات کی ہے اکثر دفعہ شوق صاحب کو بھی میں نے اُن کے ساتھ دیکھا ہے۔ وہ کئی ادبی انجمنوں سے وابستہ رہے۔ اوج صاحب کو شہر کے ہر اہم مشاعرہ میں مدعو کیا جاتا تھا مولانا معز ملتانی سے بھی اوج صاحب کے اچھے تعلقات تھے مشہور شاعرہ عزیز النساء صاحبہ اوج صاحب کی شاگرد رہ چکی ہیں حیدرآباد میں اوج صاحب کے بہت سے شاگرد رہے۔ اوج صاحب ہمیشہ مجھ سے کہتے کہ کبھی مجھے مڑ کر نہیں دیکھتا۔ ہمیشہ اپنے قدم بڑھانے لہو مخالفت کی پرواہ کیے بغیر اپنا شعری سفر جاری رکھو۔ بڑا حوصلہ دیا کرتے تھے حیدرآباد میں اوج صاحب کے شاگردوں میں رازہ عابدی اور ذاکر گوڈر شاہی

لہنام بھی شہرت رکھتا ہے۔ حضور نظام کے خاندان سے وابستہ بعض افراد بھی
 اوج صاحب سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے
 زیر اہتمام ہونے والے کل ہند نعتیہ مشاعرہ میں لازماً مدعو کیے جاتے رہے ہیں
 جیسا کہ میں نے پہلے کر شاعری میں میرے دو استاد تھے ایک علامہ قدیر لکھنوی
 دوسرے اوج یعقوبی صاحب۔ میں نے احتیاط یہ کیا کہ ابتدائی شاعری میں
 مشق کے زمانے کی تمام شاعری کو کسی ایک مجموعہ کلام میں بھی شامل نہیں
 کیا۔ چونکہ شاعری کی ابتدائی زمانے میں ہر نئے شاعر کے کلام میں استاد
 کی ہر بانیاں کچھ زیادہ ہی ہوتی ہیں۔ جب مجھ میں خود اعتمادی آئی تو
 میں نے کسی کو بھی اپنا کلام بغرض اصلاح نہیں بتلایا۔ اوج صاحب
 جیسے اساتذہ سخن کا کہیں بھی ذکر حلی ہے تو بے ساختہ زبان پر یہ مصرع
 آ جاتا ہے۔

”زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے“

سعید شہیدی

تمہارے شعر ہر اک دل کی دھڑکنوں میں ہیں

جہدِ آزادی محفولوں میں جہاں کی گویں بھی کسی شاعر کی شاعری اس کی کج کلاہی
اس کی مخصوص بانجھن اور اس کی سنجیدگی فکر و خیال کا تذکرہ ہوگا وہاں کے
دانشورانِ شعر و ادب کے لبوں پر بے ساختہ سعید شہیدی کا نام بھی آ جائے گا
سعید شہیدی جیسے بلند مرتبت شاعر کے مزاج میں انانیت نہیں تھی ایک بانجھن
تھا۔ شاعرانہ لب و لہجہ ان کی ایک شناخت تھی۔ سعید شہیدی نے اپنی فکر و انگیز
غزلوں پر تبصرہ و تنقید کو کبھی خاطر میں نہیں لایا۔ تبصرے و تنقیدیں ہوتی
ریں لیکن انہوں نے اپنی شاعرانہ رکش کو نہیں بدلا۔ کہا جاتا ہے کہ سعید شہیدی
کا کلام عصرِ حاضر کی شاعری سے ہم آہنگ نہیں ہے لیکن انہوں نے کبھی اس بات
کو تسلیم نہیں کیا بلکہ بیشتر ایسے نقادانِ شعر و سخن بھی ہیں جنہوں نے ان کے کلام
پر تبصروں سے یہ ثابت کر دکھایا کہ شگفتہ رنگ سخن میں بھی سعید شہیدی
نے اعلیٰ درجہ کے مضامین باندھے ہیں جو فکر و خیال کے غماز ہیں اور ہر

دریں جو قابلِ توجہ بنے رہیں گے۔ عصری حیثیت بھی اُن کے کلام میں ملحوظ ہے۔ سید شہیدی کی زیادہ تر غزلیں سہل فہم میں ہیں۔ برق و اشتیال کا استعارہ شاعرانہ شان کے ساتھ اُن کے اشعار کی معنویت کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ سید صاحب سادہ سہل کے پھلکے لفظوں کو شاعرانہ رنگ میں ڈھالنا ہر ایک شاعر کے بس کی بات نہیں ہے۔ سید شہیدی کی غزلوں کو نامور گلوکاروں نے اپنی بہترین غزل گائیکی سے بامِ عروج پر پہنچا دیا ہے۔ سید شہیدی ایک منفرد شاعرانہ حیثیت کے حامل تھے اور منفرد شاعری کی طرح پاک و صاف اعلیٰ خصوصیات رکھتے تھے اُن کے کلام میں کچھ ایسی بات ہے کہ سننے اور پڑھنے والا ان کی غزلوں کے تاثر کو دل و جان سے قبول کرتا ہے۔ سید شہیدی کا کلام ان کی کتابوں ریڈیو، دور درشن، اخبارات و رسائل اور مشاعروں کے ذریعہ اردو عوام اور اردو کے صاحبانِ ذوق تک پہنچ چکا ہے۔ سید شہیدی انتہائی محتاط اور رکھ رکھاؤ کے انسان تھے۔ ہر شخص سے وہ گھل ملی نہیں جلتے تھے۔ بہت کم مسکراتے تھے ان کے چہرہ پر ہمیشہ سنجیدگی طاری رہتی۔ خاموش طبیعت اور اپنے وجود میں گم رہا کرتے تھے۔ مشاعروں میں شرکت کرتے تو خاموشی اُن پر چھائی رہتی۔ بہت کم کسی شاعر سے بات کرتے تھے کسی شاعر کا کوئی شعر پسند آتا تو داد دیتے نہیں تو جُپ سادہ لیتے تھے وہ مستشاعروں کو سنا نہیں چاہتے تھے۔ شاعروں کا مشاعرہ انہیں زیادہ پسند تھا۔ اُن کے ہم عصر پیرائے شہر کے شاعروں میں

ڈاکٹر علی احمد جلیلی، اور جعفر جعفری، خورشید احمد جانی، امیر احمد خسرو، خواجہ شوق اور خیرات ندیم کو اپنا ہم مرتبہ شاعر سمجھتے تھے۔ سعید شہیدی کی وضع داری اور ان کی کج نگاہی منفرد تھی۔ اُن کا یہ انداز کسی اور شاعر میں نہیں ملتا۔ شہر میں بیسوں شاعر ہیں، سیر بھی، جو نثر بھی، لیکن ان کی پہچان بالکل الگ طرح کی تھی۔ کلام کے لحاظ سے بھی ان کی شخصیت کے لحاظ سے یہ بھی۔ سعید شہیدی نہایت ذکی افس شاعر تھے نازک طبع اور نازک مزاج انسان تھے آدابِ مشاعرہ کا خود بھی خیال رکھتے تھے اور دوسروں سے بھی ایسی ہی توقع رکھتے تھے۔ سعید شہیدی کو میں اُس وقت سے جانتا ہوں جب میں اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں تھا۔ سعید شہیدی کو سنیہ ادب، زاویہ ادب، مولانا کامل کا رہائش گاہ پر منعقدہ مشاعروں میں ستارا ہوں۔ وہ بچے بہترین کلام اور منفرد نثر کے سبب شاعرے کوٹ لیتے تھے۔ اکثر شاعروں میں سب سے زیادہ ادا دپانے والے شاعر رہتے تھے سعید شہیدی صاحب سے میری باضابطہ کبھی ملاقات نہیں ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ چلائے ہمارے مراسم بڑھنے لگے۔ میں ایک جو حیرت انگیز شاعر کی ہمیشہ سے شہید تھا۔ ۱۹۶۶ء میں سیاست کے لئے سعید شہیدی صاحب پر ایک تنازعاتی مضمون لکھا تھا۔ اس ملاقات کے بعد ہم ایک دوسرے کو کچھ زیادہ ہی محسوس کرنے لگے۔ ۱۹۶۴ء سے تقریباً تین سال تک شعراء کے تفریقی مضامین روزنامہ سیاست کے کالم میں ہر چار شنبہ کو چھپنے رہے۔ اُسی کالم کے سلسلے میں ڈاکٹر علی احمد جلیلی سے بھی ملاقات رہی۔ اس کالم

ہیں شاعر کا تعارف اور نمونہ کلام شائع ہوتا تھا۔ اُن تمام شعراء کے تمام شعری مجموعے میرے زیرِ مطالعہ رہے۔ اساتذہ کُن کے کلام کے مطالعہ سے مجھے روشنی ملی۔ اُس دور میں سعید شہیدی کی بے حد شہرت تھی مشاعروں کے وہ بے حد مقبول شاعر تھے۔ میں نے بھی اہم اہم مشاعروں میں سعید شہیدی کو مدعو کیا ہے۔ سعید شہیدی اپنے شاعرانہ پانچپن کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض دفعہ منتظمینِ مشاعرہ کے لئے مسئلہ بنے رہتے تھے۔ مشاعرے کے دعوت نامے انھیں گھر پر دنیا پیڑتا تھا اور مشاعروں میں شرکت کرنے کے لئے اصرار ضروری ہوتا۔ وہ مشاعرہ میں شرکت کے لئے فی الفور اپنی رضا مندی نہیں دیتے تھے اور سرِ راہ یا کسی محفل میں مشاعرہ کا دعوت نامہ قبول نہیں کرتے تھے۔ لیکن مجھے یہ اجازت تھی کہ میں تمام مشاعروں میں شرکت کے لئے انھیں صرف فون پر دعوت دیتا تھا وہ اپنی اکہم نوازی سے شرکت کرتے تھے وہ کہتے تھے تم کو اختیار ہے کہ مجھ سے پوچھے بغیر میرا نام دے سکتے ہو۔ لیکن دوسروں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ میری منظوری کے بغیر اخباروں میں میرا نام دیں۔ ویسے میں اکثر دفعہ فون پر ہی اطلاع دیا کرتا تھا۔ اگر بروقت ربط پیدا نہ ہو سکا تو ان کا نام اخبارات میں دیا جاتا تھا۔ کئی کل ہند مشاعروں میں ہمارا ساتھ رہا۔ مجھے اور زمیں اختر کو بہت چاہتے تھے۔ کہتے تھے تم دونوں مجھے بے حد عزیز ہیں۔ یہ اعزاز شہیدی کسی جو نبیر شاعر کو حاصل رہا ہو۔ سعید شہیدی، ادبی ٹرسٹ اور شکر گج مشاعروں کے لئے ناگزیر تھے لازماً ان دونوں مشاعروں میں مدعو ہوتے

ان دونوں مشاعروں کے علاوہ شہر میں کسی بھی ادارے یا انجمن کی جانب سے کُل ہند مشاعرہ ہونے پر سید شہیدی کو خصوصیت کے ساتھ مدعو کیا جاتا تھا۔ عابد علی خان صاحب سے ان کے گہرے مراسم تھے سید شہیدی کی ہر تازہ غزل "سیاست" میں شائع ہوتی تھی۔ سید شہیدی نے نفسِ نقیبیں سیاست آئے، جگر صاحب کو اشاعت کے لئے غزل دیتے جو اولین اشاعت میں شائع رہتی۔ شہر میں عابد علی خان صاحب کے زیرِ انتظام جہاں بھی مشاعرے ہوتے رہے سید شہیدی صاحب کو مدعو کیا جاتا رہا ہے سرکاری ہو کہ غیر سرکاری ہر مشاعرہ میں شریک رہتے وہ تقریباً تمام صدیوں کے کلام کو کلام سنا چکے ہیں راج بھون کے تمام مشاعروں میں کلام سنا کرتے تھے ہیں سید شہیدی امریکہ، لندن کے مشاعروں کے علاوہ سعودی عرب (جدہ) اور دوحہ قطر کے مشاعروں میں بھی شرکت کر چکے ہیں سید شہیدی کے تاحال چار شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ برق و آسٹیاں، شفق، آفتابِ غزل، کفِ گلِ فروش۔

سید شہیدی صاحب کا کلام آج بھی نامور گلوکاروں کے ذریعہ ہم تک پہنچتا ہے۔ اردو اکادمی کے مخدوم ایوارڈ کے پرائز میں سید شہیدی صاحب کا نام بھی شامل تھا لیکن کچھ ایسا ہوا کہ مخدوم ایوارڈ کا فیصلہ ان کے حق میں نہیں ہوا۔ اس کی تفصیل سے تمام ادبی حلقے واقف ہیں اضلاع کے مشاعروں میں سید شہیدی کو مدعو کرنا لازمی ہونے سے متعلقین مشاعرہ

میرے پاس آتے۔ میں اپنے طور پر انہیں دعوتِ مشاعرہ دیتا اور ہم ذریعہ کارِ مشاعروں میں چلے جاتے۔ ۲۰، ۲۵ برس سے ہم صرف ذریعہ کار ہی اضلاع کے مشاعروں میں شرکت کر رہے ہیں۔ ہم خیالِ شاعروں کے ساتھ مشاعروں میں شرکت کرنے کا مزہ ہی سمجھ اور ہوتا ہے۔

دورانِ سفر سعید شہیدی صاحب ہم شاعروں کی گفتگو سننے رہتے تھے بہت کم کچھ کہتے۔ بلا ضرورت کبھی کسی موضوع پر گفتگو نہیں کرتے تھے۔ سعید شہیدی ایوانِ پرنس معظّم جاہ شجاع کے مشاعروں میں پابندی سے شرکت کرتے تھے ایوان کے مشاعروں میں کبھی سعید شہیدی اور کبھی علی احمد جلیلی صدرِ مشاعرہ رہتے۔ شہر کے بیشتر مشاعرے جو میرے زیرِ انتظام رہتے زیادہ تر مشاعروں کی صدارت سعید شہیدی ہی کرتے تھے صنعتی نمائش کے موقع پر میرے دلے مشاعرے کی صدارت لازمی طور پر سعید شہیدی کی سپرد کی جاتی۔ ریڈیو کے مشاعرے ہوں کہ دور درشن کے مشاعرے ہوں۔ سعید شہیدی ہی صدارت کرتے تھے سعید شہیدی ایک محتاط انسان تھے کسی سے کبھی کھل نہیں پاتے تھے ہمیشہ بند بند رہتے تھے ان کے والد محترم نواب شہید یار جنگ کی وضع داری ان کے مزاج میں رچ بس گئی تھی پرنس معظّم جاہ شجاع کے شاعرانہ دربار میں بھی شریک رہتے تھے۔ سعید شہیدی تقریباً ۶۰-۶۵ سال سے شاعری کرتے رہے۔ کسی کو کبھی یہ نہیں معلوم ہوا کہ ان کے شاگرد کون کون ہیں۔ غالباً وہ استاد شاگرد کی چکر میں پڑنا نہیں چاہتے تھے وہ تنہائی کے عاری تھے منزل

بھی آیا یا یا نکھا کر انہیں تنہائی زیادہ پسند تھی۔ میرا شہر میرے لوگ
 کی ادبی محفلوں میں پابندی کسے ساتھ شرکت کرنے تھے اسی طرح شوہر شہید احمد
 جاتی میو ریل اکیڈمی کے مشاعروں میں بھی شریک رہتے۔ کئی مشاعرے
 سعید شہیدی کی صدارت میں منعقد ہوئے۔ محمد امین ایوارڈ کے بروقت
 اعلان نہ کیے جانے سے وہ ایک قسم کی ذمہ داری کو فتنہ میں مبتلا تھے۔
 انھیں توقع تھی کہ محمد امین ایوارڈ انہیں ملے گا لیکن ادبی و سیاسی بازیگری
 نے انہیں ایوارڈ سے محروم رکھا۔ ان کے انتقال کے بعد محمد امین ایوارڈ کا
 اعلان کیا گیا جو خواہ شوق کے حصہ میں آیا۔ سعید شہیدی کی ملازمت
 کا رشتہ محکمہ آبکاری سے تھا۔ ایک دفعہ مجھے ان کے آفس جانے کا اتفاق
 ہوا تھا۔ استاد سخن اوج بھٹولی بھی ساتھ تھے۔ اوج صاحب کی قیادت
 میں ہم تمام شاعر ضلع کے کسی مشاعرہ میں جانے والے تھے۔ سعید شہیدی
 صاحب، علامہ نجم آفندی کے سینئر تلامذہ میں سے تھے وہ اپنی اقتدار پر
 کی وجہ سے ہر کس و ناکس کو منہ نہیں لگاتے تھے۔ سعید شہیدی کو ہم
 تھے مشاعروں میں شرکت کے لئے ہمیشہ ترجیح دی۔ ادبی ٹرسٹ اور شکر کو
 مشاعرہ میں شرکت کرتے رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ آج مشاعروں میں اگلو
 سی روایت باقی نہیں رہی۔ ان دنوں بڑے مشاعروں میں اکثر سامعین
 کو شاعر کے کلام سے کوئی دلچسپی نہیں رہتی۔ کچھ لوگ تو کفر تھا چلے آتے ہیں
 کس شاعر کی کیا شاعرانہ حیثیت ہے انہیں کچھ نہیں معلوم۔ اس لئے
 وہ بالعموم بڑے مشاعروں میں شرکت سے اجتناب کرتے تھے سعید شہیدی

کے اعترافِ خدمات کی تقاریب کئی انجمنوں نے منعقد کیں لیکن ایک تہنیتی اجلاس جو ۲۰-۲۲ برس پہلے ایسٹ ٹاکنز میں ہوا تھا قابلِ ذکر ہے۔ جناب عابد علی خان کی صدارت میں تہنیتی تقریب ہوئی تھی اُس تقریب میں سعید شہیدی صاحب کو ۵۱ ہزار روپے کا کیسہ زر پیش کیا گیا تھا۔ غزل کے مشاعروں کے علاوہ سعید شہیدی کئی ہندوستانی شاعرے اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک میں پڑھ چکے ہیں۔ عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کے انتقال کے بعد بھی سعید شہیدی کا سیاست سے رابطہ رہا۔ زاہد علی خان صاحب، سعید شہیدی کا بہت احترام کرتے تھے سعید شہیدی جب کبھی سیاست آتے تو مجھ سے لازماً ملا کرتے تھے کچھ دیر میرے پاس بیٹھتے بڑی خوشی ہوتی۔ میں کھڑے ہو کر سعید بھائی کا خیر مقدم کرتا اور تا وقتیکہ وہ مقابل کی کرسی پر نہ بیٹھتے۔ میں کھڑا رہتا۔ خوشبو کا سفر میں بھی سعید شہیدی صاحب کئی غزلیں شائع ہوئی ہیں۔ آج سعید شہیدی صاحب ہم میں نہیں رہے لیکن اُن کی یادیں ہمارے ساتھ ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ سمجھ لو گائیے ہوتے ہیں جو موت کی آغوش میں رہ کر بھی زندگی کے سفر کا احساس دلایا کرتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سعید شہیدی ہمارے ساتھ ہیں ہماری سانسوں میں ایسے ہوئے ہیں ان کی شخصیت کی خوشبو ان کی شاعری کی عظمت ہمارے لئے ایک عظیم درخش ہے جس کی ہم دل و جان سے حفاظت کر رہے ہیں۔ جسے ہم کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔

سیمان اریب

”پانچ گریباں“ اور ”کڑوی خوشبو کا شاعر“

مزاج کی طرح داری، طبیعت کے باغچین اور شاعرانہ کج کلاہی کو زیب و زینت داستانِ حیات اور سرشاریِ مجرورِ برکت کا سرچشمہ فیضانِ سمجھنے والے کہتے۔ ایسے شاعر ہوں گے جو شعر و ادب کی بارگاہ میں سجدہ ریز نہ ہوئے ہوں گے کہتے ایسے واقفِ امورِ کائنات ہوں گے جو اپنے فکر و فن کی سحرکاری سے دیدہ پرغم اور لبِ قضاں کھٹے مژدہ نغمہ جواں فزا بن گئے ہوں گے ہمیں زندگی کی رعنائیوں اور نیرنگِ حیات کی نغمہ سرائی کرنے والے فن کار تو مل جائیں گے لیکن ایسے تخلیق کار بہت کم ملیں گے جو اجالوں کا پیغام کہتے ہوئے معاشرہ کو نت نئے رنگ و روپ سے سرفراز کرتے ہوں گے۔ ایسے شاعر جو اپنے دل کی دھڑکنوں کو انسانی رشتوں سے مربوط کرتے ہیں وہ ادب کی دنیا میں زندہ جاوید بن کر رہتے ہیں۔ سیمان اریب بھی ایسے ہی شاعروں میں شمار ہوتے ہیں جو زندگی کی زندہ حقیقتوں کی صفحہ صادق کی ہلکی ہلکی نرم نرم روشنی کو اپنی آنکھوں میں بیاہتے

ہیں اور سماج کو اپنے تجربات، مشاہدات اور اپنی تخلیقات کے ذریعہ غور و
 نعمات کی دنیاسے ہم آہنگ کر دیتے ہیں۔ سلیمان اریب ان تمام غویوں کا
 ایک ایسا عکس جمیل تھے جن کا رنگ شاعری پیارا، محبت، انسانیت اور
 رشتوں کی صحیح پہچان کے لئے مشعل راہ بنا رہتا ہے حیدر آباد کے شاعروں
 میں ایک منفرد بائیکین کے ساتھ اپنے شب و روز گزارنے والا شاعر سلیمان اریب
 میرے دل و دماغ پر ہمیشہ چھایا ہوا رہا۔ میں اریب صاحب کا نہ تو گہرا
 دوست تھا اور نہ ہی ان کا ہم مغرب و ہم مسلک۔ لیکن ان کے مزاج میں
 جو حیدر آبادیت کی روح جذب ہو چکی تھی وہ مجھے اپنے طرف کھینچتی تھی حیدر آباد
 کے شاعروں میں بہت سے ایسے شاعر ملتے ہیں جو اپنی سرزمین کی رفعت و حرکت
 کو دل و جان کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔ اریب صاحب کی نس نس میں جیکڑا جی
 بسی ہوئی تھی۔ حیدر آبادی فنکاروں کے مقابلے میں ملک کے دوسرے شاعروں
 ادیبوں کی بغیر ضروری پذیرائی انہیں قطعی پسند نہ تھی وہ اس بات پر قائم تھے کہ
 پہلے اپنے گھر میں چراغ جلا نا چاہیے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے گھر کا کوئی ایک
 گوشہ بھی دھندلکوں اور اندھیروں کی زبان میں گفتگو کرے۔ وہ آجالوں
 کی زبان جانتے تھے رختی اور زندگی کی حقیقت سمجھتے تھے اپنی سرزمین کی
 عظمت و احترام کے لئے بہت کچھ کرنا چاہتے تھے۔ ان میں اخلاص، برتری
 نہیں تھا لیکن احساس کمتری کو اپنے لئے، اپنے شہر کے لئے اور اپنے معاشرے کے
 لئے زہر قاتل سمجھتے تھے۔ میرا مشاہدہ ہے کہ جب کبھی ملک کے دیگر علاقوں سے
 تعلق رکھنے والے شاعر و ادیب حیدر آباد آتے تو اریب صاحب ان سے باوقار انداز

میں اپنی پوری شناخت کے ساتھ ملاقات کرتے تھے اور شعر و ادب کے مختلف موضوعات پر کھل کر گفتگو کرتے تھے۔ اریب صاحب کو یہ گوارا نہیں تھا کہ حیدر آبادی سرعوبیت کا شکار رہیں۔ اریب صاحب نے اپنے بہترین سبق اظہار کے ساتھ قرطاس و قلم کی آبرو بڑھائی۔ سلیمان اریب کی تمام شاعری کا مطالعہ کیجئے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کے پاس بالوکی ایک جبر ہے جو ارتقا پذیر معاشرہ کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ سلیمان اریب کی شاعری کشمکش حیات اور تہ اُجالوں کی شاعری ہے وہ اپنے سامع اور قاری کو ایک ایسی صبح کا پیغام دیتے ہیں جو ہمیشہ پُر نذر رہے گا۔ کسی بھی گوشہ کائنات میں اندھروں کا جلن نہ ہوگا۔ وہ اس بات کے بھی قائل تھے کہ اندھروں اور اُجالوں کی جنگ تو برسوں سے جاری ہے جاری رہے گی لیکن فتح و نصرت ہمیشہ اُجالوں کی ساتھ رہے گی۔ سلیمان اریب بہ ذاتِ خود ایک خوش مزاج منوازن طبیعت، خود دار اور اپنی شناخت پر فخر کرنے والے شاعر تھے۔ میں نے بیسیوں شاعروں میں ان کے ساتھ کلام سُنا یا ہے شاعروں میں چھائے ہوئے رہتے تھے ایک طرح دار شخص کی طرح وہ اپنی ساری زندگی اپنے منفرد بانیکن کے ساتھ گزارتے رہے۔ ادیب صاحب جو جوان شاعروں اور ادیبوں کی حوصلہ افزائی میں ہمیشہ فراخ دلی سے کام لیتے تھے ماہنامہ ”ہیما“، ”ایڈیٹر کی حیثیت سے بھی انہوں نے اردو زبان اور شعر و ادب کی بڑی خدمت کی ہے ”صبا“ اردو کا صفرِ اول کا جریدہ تھا۔ اریب صاحب ”صبا“ کو زندہ رکھنے کے لئے یہ حد پریشان رہے۔ انہیں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے اپنی رسالہ نکالنا

اور جاری رکھنا ایک کرشمہ سے کم نہ تھا۔ شہر کے دوسرے نوجوان شاعروں کی طرح میرا کلام بھی ”صبا“ میں شائع ہوتا تھا۔ اریب صاحب صرف مشاعرہ کے ہی شاعر نہیں تھے بلکہ ادبی رسائل کے ذریعہ انہوں نے اپنی شاعرانہ پہچان بنائی تھی۔ اپنے دور کے صف اول کے شاعروں میں ان کا شمار ہوتا تھا انہوں نے کئی کئی ہند شاعرے پڑھے پڑاغما دا انداز میں کلام سناتے تھے اریب صاحب شاعروں میں عموماً تاخیر سے پہنچتے تھے اور ان کے ساتھ ابن احمد تاب لازم آتے تھے جب اریب صاحب جھومنے جھلننے مشاعرہ گاہ میں پہنچتے تو سامعین سگے مرکز توجہ بن جاتے اور اریب و انسٹیڈ، اریب و انسٹیڈ کی آوازیں بلند ہوتیں جم کر شعر سناتے تھے۔ غزل سے پہلے رباعیات ضرور سناتے تھے خاص طور پر اس رباعی کی لازماً فرمائش کی جاتی تھی۔

چہر حافظ و غالب کو جو مئی دیدوں، خیاں کو بھر غالب ثانی دیدوں
اک پل کے لئے میں جو خدا بن جاؤں، دنیا کو بس انکور کا پانی دیدوں

میں اپنی ابتدائی شاعری کے زمانے سے ہی اریب صاحب کو اپنا پسندیدہ شاعر سمجھتا رہا ہوں۔ شاعروں میں وہ میری پندیرائی کرتے تھے۔ معظم جاہی مارکٹ کو قریب واقع عمارت بیچلرس، کوارٹرس (جگر گاہ کا کمرہ نمبر ۷) صبا کے دفتر پر ان سے ملاقات کے لئے کبھی کبھی جاتا تھا۔ ایک کرسی، ایک ٹیبل، ایک لماری اور زائد دو کرسیاں ”صبا“ کا پورا اثاثہ تھا ایک چھوٹا سی الماری ان کے اجلاس کے بازو تھی جس میں ”صبا“ کی فائیلیں رہتی تھیں۔ اس کمرہ کے دوسرے حصہ میں اعجاز قریشی صاحب ایڈیٹر بھارت نیوز کی نشست تھی۔ سیلاب اریب کا آفس

شاعروں، ادیبوں کے لئے ایک مرکز کی حیثیت رکھتا تھا ہندوستان بھر کے
 صنفِ اول کے شاعر صبا کے دفتر آتے تھے۔ اریب صاحب کے آس پاس
 شاعروں، ادیبوں کا ایک بڑا حلقہ موجود رہتا تھا۔ مخدوم صاحب اور
 شاعر بلیقی صاحب کے علاوہ اُس دور کے تفریبانہام ناستہ شعراء موجود رہتے تھے
 شام میں اکثر دفعہ اور نیٹا ہوٹل چلے جاتے تھے۔ ان کی رفیقہ حیات
 صفیہ اریب بھی اکثر ان کے ساتھ رہتیں۔ اریب صاحب کے حیدر آبادی تھے
 ڈاکٹر سید جی الدین قادری زور اور پیر و فیر عبدالقادر سروری اُن کے قدر دانوں
 میں شامل تھے اُس دور کے تمام ترقی پسند شاعر و ادیب ان کے ساتھ رہتے
 تھے اور اکثر مقامات پر انھیں میر کارروا کی حیثیت حاصل رہتی تھی اریب
 صاحب کے ساتھ میں نے کئی کُل ہند شاعر سے پڑھے ہیں وہ اُس دور کے
 جوان سال شاعروں میں تھے بہت پسند کرتے تھے یہ اریب صاحب کی
 فراخ دلی اور حوصلہ افزائی کی ایک اعلیٰ مثال ہے کہ انہوں نے انتہائی
 جوان شاعر ہونے کے باوجود مجھے ہم سال پہلے ماہنامہ صبا کے کالمسٹ کے طور پر
 میں منعقدہ کُل ہند شاعرہ میں مدعو کیا تھا اس مشاعرہ میں جو شمس طبع آبادی
 مجروح سلطان پوری اور دیگر نامور شاعر بھی مدعو تھے اُس زمانے میں تقسیم ملک
 کے بعد پہلی دفعہ پاکستان کی کرکٹ ٹیم حیدر آباد آئی تھی اس کرکٹ ٹیم کے کھلاڑی
 بھی مشاعرہ میں موجود تھے جنھیں اہتمام کے ساتھ مخصوص نشستوں پر بٹھایا گیا
 تھا میں نے بھی اُس مشاعرہ میں کلام سنایا تھا پورے اعتماد کے ساتھ اریب
 صاحب بہت خوش ہوئے انھیں اتنے بڑے شاعرے میں ایک مبتدی شاعر

کو مدعو کر کے شرمندگی اٹھانی نہیں پڑی۔ میری ابتدائی شاعرانہ زندگی کا وہ
 بہت بڑا کٹ ہندو شاعرہ تھیں شہ نشین پرچوش صاحب، مجروح صاحب
 اور شاہد صدیقی صاحب کے بازو بٹھایا ہوا تھا جو ش صاحب نے اپنی مشہور
 نظم سناتے ہوئے ایک مرحلہ پر مجروح اور شاہد صاحب سے کہا کہ ابھر دو دو
 مہرے اٹھاؤ۔ شاہد صدیقی صاحب نے چونک کر مجروح صاحب سے کہا
 جو ش صاحب آپ سے کچھ کہہ رہے ہیں۔ آخر حسن صاحب ناظم مشاعرہ تھے۔
 جو ش صاحب نے اپنی مشہور نظم ہائے جوانی ہائے زمانے "سنا کر مشاعرے
 کی فضا کو درہم برہم کر دیا تھا سینکڑوں خواتین نے اس مشاعرہ میں شرکت کی تھی
 سلیمان اربیب ہمیشہ مجھ پر مہربان رہے۔ وہ ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں
 میں پابندی سے شرکت کرتے تھے۔ اربیب صاحب کا بے فوہی بعض دفعہ مشاعرہ
 بگاڑ دیتی تھی لیکن اکثر دفعہ وہ مشاعرہ کو زندگی سے ہم کنار کرتے تھے ان کے
 ساتھ میں دو تین مرتبہ پر بھی میں کئی ہندو شاعرے پڑھے ہیں۔ اُس وقت
 ممتاز شاعر میر ہاشم علی صدر نشین بلدیہ تھے وہ اکثر اربیب صاحب کو مدعو
 کیا کرتے تھے اربیب صاحب جہاں کہیں جانے صبا کی خریداری کی ہم چپکاتے
 تھے اربیب صاحب کے ساتھ میں نے بودھن کا ایک تاریخی مشاعرہ پڑھا تھا
 اس مشاعرے میں ہمیں ایڈیٹر پیام قاضی عبدالغفار کے داماد (فاطمہ عالم
 علی خان کے رفیق حیات) عالم علی خان صاحب ڈائریکٹر نظام شوگر فیکٹری
 نے مدعو کیا تھا۔ اس مشاعرہ میں حیدرآباد سے سلیمان اربیب، شمس الدین
 نایاں، ابن اخمد تاب اور میں مدعو کیے گئے تھے۔ ہم چاروں شاعر الباقیر صبا

کی قیادت میں ذریعہ موثر بودھن ہو چکے۔ نظام شوگر فیکٹری کے شاندار دستے
 گیسٹ ہاؤز میں ہمیں ٹھہرایا گیا تھا جس ڈنر میں تو شامل رہا لیکن میں
 فصل مے نوشی میں شرکت نہیں کی۔ مشاعرہ شاندار پیمانے پر منعقد
 ہوا۔ پروگرام کے مطابق ہم کو مشاعرہ کے بعد صبح ۵ بجے حیدر آباد واپس ہونا
 تھا لیکن مشاعرہ کے بعد اریب صاحب ارازم احمد نواب صاحب مے نوشی
 میں مشغول رہے اور یہ سلسلہ صبح کے بعد تک چلتا رہا۔ جب میں نے اریب صاحب
 کو بموجب پروگرام حیدر آباد واپس ہونے کے لئے کہا تو ابو الخیر صاحب نے
 مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ ہم شام میں حیدر آباد جائیں گے۔ میں نے محسوس کیا
 کہ تمام شاعر حیدر آباد واپس ہونے والے نہیں ہیں اس لئے میں نے
 ڈرامیور سے جو گیسٹ ہاؤز کے ڈرائیور سے میں سوایا ہوا تھا جگایا اور
 حیدر آباد چلنے کے لئے کہا اور حیدر آباد روانہ ہوا۔ لگ بھگ ۹ بجے صبح حیدر آباد
 پہنچا۔ حیدر پروگرام سکرٹریٹ آفس جانے سے پہلے سیاست آفس پہنچا
 پھر روز کی طرح عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کے ہمراہ چلے نوشی
 ہوئی۔ جب ان شعراء کے کلام کا نشہ ٹوٹا تو میرے بارے میں پوچھا۔ مجھے
 موجود نہ پا کر کافی برہم ہو گئے۔ یہ بات بعد میں مجھے ابو الخیر صاحب نے بتائی
 ایک اور مشاعرہ میں بھی ایسی ہی صورتحال پیش آئی۔ نارائن کھیٹر (ضلع مید)
 میں ایک ایم ایل اے کے الیکشن کے سلسلے میں مشاعرہ تھا حیدر آباد سے ہم
 ہم موٹروں میں شعراء کا قافلہ پہنچا تھا۔ ناشتہ کے بعد حیدر آباد واپس
 ہونے کا پروگرام بنا تھا میری بے حدینی ٹرھنے لگی۔ بعض شعراء کے کرامتوں

اریب صاحب، ابن احمد تائب، خیرات ندیم وغیرہ اپنے مخصوص رنگ میں
 ڈوب چکے تھے میں اپنی سیاہ ایمیڈر کار میں ہندی شعراء بشمر دہل
 اور کالی جرن پمٹ راہی کو اپنے ساتھ لے کر حیدر آباد کے لئے نکل پڑا۔
 معلوم ہوا کہ دوسرے شعراء بھی اپنی موٹروں کے ذریعہ حیدر آباد کے لئے
 روانہ ہوئے لیکن وہ شاعر جو اریب صاحب کے ساتھ تھے وہ رک گئے
 اور انھیں شام میں جیپ کا کے ذریعہ حیدر آباد آنا پڑا تھا۔ اس طرح کے
 مرحلوں سے گزرنے کے بعد بھی اریب صاحب مجھ سے خفا نہیں ہوتے تھے
 حیدر آباد اور اضلاع کے مشاعروں میں مجھے مدعو کرتے تھے اور میں ان کے ساتھ
 ذریعہ کار مشاعروں میں شریک رہتا تھا۔ اریب صاحب کے آفس میں
 زیادہ بیٹھنے والے شاعروں میں شمس الدین تاباں، امان ارشد، ابن
 احمد تائب شامل تھے کبھی کبھی س۔ ا۔ عشرت بھی دکھائی دیتے تھے اریب
 صاحب کمینسر کے ہلکے مرض میں مبتلا تھے کمینسر باسٹل میں زیر علاج تھے
 میں ان سے ملنے کے لئے جایا کرتا تھا آخری دنوں میں وہ بات کرنے میں لجھ
 تکلیف محسوس کرتے تھے لیکن میں نے ان کے چہرہ پر ہمیشہ مسکراہٹ دیکھی
 ایسے لوگ بہت کم ہوں گے جو موت سے لڑتے ہوئے زندگی پر مسکراتے
 ہیں اریب صاحب ایک صاف و خفاف انسان تھے کھرے سکے کی طرح
 روشن مثال۔ ان کا شاعرانہ انداز متاثر کن تھا زندگی کے آخری دنوں تک
 سیکل پر آیا کے آفس جلتے تھے اگر صفیہ اریب ساتھ ہوں تو رکشا میں
 آفس آنے جاتے تھے اریب صاحب شاعروں میں بنامے نوسی شریکی نہیں

نہ دیتے تھے۔ لیکن ایک بات قابلِ تعریف تھی کہ انہوں نے کبھی مشاعروں کی
 فضا کو مکدر نہیں دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ اریب صاحب کے مشاعرے
 میں رہنے سے زندگی کی ترجمانی ہوتی تھی۔ اریب صاحب کے انتقال
 کے بعد "صبا" کے دو تین شمارے ہی نکل سکے۔ ان کا بیٹا حسین ہے
 جو جید ریڈیو سنٹرل یونیورسٹی (گولڈن تھری شولڈ) کا طالب علم رہ چکا ہے
 صغیر اریب یونیون و مینس کالج سلطان بازار میں اردو کی استاد تھیں
 اریب صاحب کے انتقال کے بعد ادبی محفلوں اور مشاعروں میں بہت
 کم شریک ہوتی تھیں۔ اریب صاحب ترقی پسند شاعر و ادیب تھے۔ اریب
 صاحب نے کچھ جدید نظموں بھی کہی تھیں لیکن ان کی ایک نظم "قریب زور"
 نے ان کی شاعرانہ حیثیت کو نئی طرح بحال کیا۔ یہ نظم ان کے دوسرے
 مجموعہ "کلامِ کڑوی خوشبو" میں شامل ہے۔ پروفیسر مفتی تبسم ان کے قریبی
 دوست رہے ہیں۔ سیاست اخبار میں جب شعراء کا نعرہ "سلسلہ شروع"
 ہوا تو اریب صاحب سے انٹرویو لینے کے لئے مجھے صبا کے دفتر جانا پڑا تھا
 اریب صاحب نے چائے پلائی دوکانِ معظم جاہی مارکٹ کی دوسری
 منزل پر واقع ہوٹل میں انٹرویو کے لئے وقت دیا تھا۔ اریب صاحب
 خوش مزاج انسان تھے۔ شاہ نوری صاحب کے بغیر صبا کا ذکر ادھورا رہ جا
 گا۔ صبا کے لئے ہمیشہ ان کا تعاون رہا۔ صبا کو بہترین کتابت سے آراستہ کرنے
 میں محمد ظہار الدین کاتب کا بڑا دخل رہا۔ اریب صاحب کے چہرہ پر ہمیشہ مسکراہٹ
 رہتی تھی۔ خوش طبع، یار باش اور زندہ دل انسان تھے۔

امیر احمد خسرو

قلندرانہ مزاج۔ یلمنیاز شاعر

آج سے ۳۵ برس پہلے آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد کے آرڈو سکشن کے پروگرام انگریزیکٹو ایاز انصاری صاحب تنھے میں اپنی شاعری کی ریکارڈنگ کے لئے ایک دن آل انڈیا ریڈیو پہونچا۔ دُور سے آتے ہوئے ایک اعلیٰ درجہ کی گیارڈین کی کالی مشبروانی میں بیٹوس نہایت طرح دار، جاذبِ نظر، خوش شکل شخص پر میری نظر پڑی۔ وہ اجمینی شخص ایاز انصاری صاحب کے اجلاس کی ہی طرف آ رہا تھا میں نے ایاز صاحب سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ ایاز صاحب نے کہا کہ یہ امیر احمد خسرو ہیں حیدرآباد ہی کے ہیں کھوپال ریڈیو اسٹیشن پر پروگرام انگریزیکٹو تنھے ان کا تبادلہ پروگرام انگریزیکٹو کی حیثیت سے حیدرآباد ہوا ہے۔

جب کبھی میں اوراقِ ماضی اُلٹتا ہوں تو خسرو صاحب کی پرکشش

غیبت اور اُن کی خوش لکھی میری نظروں میں پھر جاتی ہے اُن دنوں خسرو صاحب سے صرف سلام علیک کی حد تک ہی میری رسم و راہ تھی مجھے یہ بھی یاد نہیں ہے کہ وہ اُن دنوں کتنے پہنچے اور کتنے برس حیدرآباد میں رہے۔ حیدرآباد کے بعد گلبرگ ریڈیو اسٹیشن پیران کا تبادلہ ہوا وہاں ڈاکٹر کڑ آل انڈیا ریڈیو کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ وظیفہ حسن خدمت سے قبل حیدرآباد ریڈیو اسٹیشن پر ہی تھے۔ اُن دنوں خسرو صاحب سے اکثر دفعہ ملاقات ہوتی تھی۔ خسرو صاحب نے اس قدر نیک نامی کے ساتھ ملازمت کی کہ وظیفہ حسن خدمت کے بعد بھی آل انڈیا ریڈیو کا اسٹاف ان کی عزت کرتا رہا۔ خسرو صاحب کی زیر نگرانی کئی نوجوانوں نے تربیت حاصل کی۔ خسرو صاحب اور ایاز انصاری صاحب کے علاوہ اے جی فاروقی، عزیز فریشی، اظہار احمد جلیس، اکبر احمد، دانش اقبال نے نئے نئے پروگرامس کا آغاز کیا۔ ان کے بعد اسلم فرخوری، جعفر علیخاں اور ڈاکٹر ارشد نے حسن و خوبی اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کیا۔ مجھے آل انڈیا ریڈیو سے پہلا پروگرام کلام شاعر کے نام سے ملا۔ اُس وقت ۱۵ روپے معاوضہ تھا اور آج ۵۰ روپے معاوضہ مل رہا ہے۔ مومن سہنا اور روپ نعل کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔

نامور پروگرام اینگریکیٹو جیٹا ہدا یاز انصاری اور فاروقی صاحب سے پہلے پہلے اشفاق حسین صاحب، مہرجن صاحب اور ظفر الحسن جیسی شہرت کی

حالی شخصیتیں آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے وابستہ تھیں نیرنگ پروگرام کے لئے سب سے زیادہ کام عزیز قریشی صاحب نے کیا۔ انہوں نے ہی نیرنگ پروگرام کا آغاز کیا۔ خسرو صاحب کے دور میں کسی شاعر یا ادیب یا فنکار کو اپنے پروگرامس کی حصولی میں دقت پیش نہیں آئی۔ خسرو صاحب جامعہ عثمانیہ کے مقبول شاعروں میں سے ایک تھے۔ ایک دفعہ محبوب حسین جگر صاحب نے مجھ سے فرمایا تھا کہ جامعہ عثمانیہ میں ایک مشاعرہ پرنس معظم جاہ شہجیح کی صدارت میں ہوا تھا جس میں اس دور کے تفریبا تمام اور منتخب شاعروں نے کلام سنایا تھا اس مشاعرہ میں امیر احمد خسرو اپنا کلام پڑھ کر ترنم میں سنا کر مشاعرہ پر چھپ گئے تھے۔ خسرو صاحب عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کے پسندیدہ شاعر تھے سیاست میں کلام شائع ہونا نہ تھا۔ ادبی ٹرسٹ اور شنکرجی میموریل سوسائٹی کے سالانہ کل ہند مشاعروں میں یہ طور خاص مدعو کیے جاتے تھے خسرو صاحب نہایت اعتماد کے ساتھ بے نیازانہ انداز میں کچھ ایسے پُر کیف ترنم میں کلام سناتے تھے کہ جس سے مشاعرہ کی فضاء جھوم جاتی تھی۔ خسرو صاحب ان دونوں مشاعروں کے کامیاب شاعر تھے مجھے خسرو صاحب کے ساتھ ۲۰، ۲۵ برسوں تک مشاعروں میں کلام سنانے کا اتفاق ہوتا رہا میں خسرو صاحب کی زندگی کے آخری ۷، ۸ برسوں میں ان کے انتہائی قریب رہا۔ میں ہر مجاری مشاعروں میں انھیں مدعو کرتا تھا اضلاع کے بہت سے مشاعروں میں ہمارے ساتھ رہتے۔ خسرو صاحب نہایت ہی خوش مزاج

نرم گفتار اور پُر اثر شخصیت کے حامل لاجواب شاعر تھے۔ وہ
 نامور شاعر خورشید احمد جاتی کے چھوٹے بھائی تھے اُن کے ہم عصر
 شاعروں میں سجد شہیدی، علی احمد جلیلی، اوج بوقیلی، خواجہ شوق
 اور خیرات ندیم بھی تھے۔ ان سے جو بہتر شاعر جو اکثر مشاعروں میں
 ان کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ رئیس اختر، ناصر کرنولی، ڈاکٹر صادق
 نقوی، نہال سنگھ ورما، علی الدین نوید تھے۔ وہ ان جو بہتر شاعروں
 سے وہ ایک بڑے بھائی کی طرح سر پرستانہ و مشفقانہ انداز میں
 ملتے تھے اپنے ہم عصر شاعروں کے ساتھ برادرانہ مراسم کے قائل تھے
 خسرو صاحب نے کسی بھی شاعر کی شاعرانہ عظمت پر نکتہ چینی نہیں کی
 بلکہ پورے خلوص و دیانت داری کے ساتھ اُن کے کلام پر داد دینے
 تھے سجد شہیدی ترنم میں شعر سناتے تھے سجد شہیدی کا ترنم قدیم روایتی
 ترنم کا ترجمان تھالیے حد پسند کیے جاتے تھے لیکن خسرو صاحب کا ترنم
 ذہین و دل کو یکساں طور پر متاثر کرتا تھا۔ نہایت پُر اثر اور کالوں
 میں رس گھولنے والا ترنم تھا ان کے ترنم نے حیدر آباد کے بیشتر
 مترنم شاعروں کو متاثر کیا ہے خسرو صاحب شہر کے بڑے بڑے
 مشاعروں میں کامیاب ترین شاعر کی حیثیت سے سرخ رو رہا کرتے تھے
 ادبی سرسٹک کے ایک مشاعرہ میں مجھے اب تک یاد ہے کہ خسرو صاحب نے
 اپنے لُحْن داؤدی میں ایک ایسی لاجواب غزل سنائی تھی کہ سارا مشاعرہ جھونے
 لگا تھا۔ ایک شعر یہ ہیں **گلگون کہن ہے سرِ عرش یوں رہتا ہے**
وہ تو اک در دہے جو دل کے قریں رہتا ہے

وہ جو سورج کو ہتھیلی میں لئے پھرتا تھا،

ان ہی تار کی سی گلیوں میں کہیں رہتا تھا

خسرو صاحب سگریٹ پیتے تھے لیکن اعلیٰ درجے کے۔ چائے

کم کم پیتے تھے شراب سے انھیں سخت نفرت تھی انہوں نے ساری

زندگی شراب کو چھو اتک نہیں۔ نہایت دیندار انسان تھے خسرو

صاحب سگریٹ میں کسی مشاعرہ میں شرکت کئے لئے درخواست کرتا وہ

آمادہ ہوجاتے۔ آخری دہائی میں وہ شاعروں میں وہ اپنی کار میں

آتے تھے اکثر و بیشتر دفعتاً اپنی کار میں اپنے محلے کے شاعروں سید شہید

اور علی احمد علی کو لاتے اور لے جاتے تھے خسرو صاحب کی غنہ لیں

اختیار سیاست میں نمایاں طور پر شاخ بیوتی تھیں غریب ہیں نہیں نظیں

بھی شاخ بیوتی تھیں۔ میں خسرو صاحب کے ساتھ جناب علی صدیقی صدر عالمی

اردو کانفرنس کی دعوت پر عالمی اردو کانفرنس کے زیر اہتمام دلی کے عظیم الشان

کل ہند مشاعرہ میں شریک رہا ہوں وہ مشاعرہ ہم دونوں حیدر آبادی

شاعروں کے لئے یا دگار مشاعرہ تھا مشاعرہ میں ملک کے تقریباً تمام اہم

ادبی اور مشاعرے کے شاعر موجود تھے غالب اکبر علی احمد علی میں مشاعرہ

ہوا تھا میرے اور خسرو صاحب کے کلام کو بے حد پذیرائی حاصل رہی۔ میں نے

اُس مشاعرہ میں اپنی تازہ غزل ”ہمارے سامنے قاتل ہے کیا کیا جائے“

وہ اب بھی زینتِ محفل ہے کیا کیا جائے“ سنائی تھی۔ میں نے ملک کے

کئی شہروں میں کل ہند مشاعرے پڑھے ہیں لیکن جتنی زیادہ داد دہلی

کے اس مشاعرہ میں ملی کسی اور مشاعرہ میں شاید ہی ملی ہو۔ ویسے میں دہلی میں شکر شاد کا مشاعرہ بھی پڑھ چکا ہوں۔ میں نے آل انڈیا ریڈیو دہلی کے مشاعرہ میں بھی کلام سنایا ہے جو اسٹوڈیو میں ہوا تھا حیدر آباد سے لاشد آذر بھی ملے تھے۔ جدہ کے ایک یادگار مترنم مشاعرہ ۱۹۹۲ء میں میرے علاوہ حیدر آباد سے امیر احمد خسرو اور رکیسل ختر بھی مدعو تھے یہ مشاعرہ یزیم عثمانیہ جدہ کی جانب سے منعقد کیا گیا تھا اس مشاعرہ کے داعی جناب عارف قریشی تھے اس مشاعرہ میں حیدر آباد کے تینوں شاعروں کو جیب نشہ نشین پر بلایا گیا تو زوردار نالیوں کے ساتھ استقبال کیا گیا اور تینوں شاعروں کا کلام بے حد پسند کیا گیا۔ جدہ میں خسرو صاحب کے فرزند رہتے ہیں انہوں نے مجھے اور رئیس اختر کو ڈسٹر پر مدعو کیا تھا خسرو صاحب اپنی زندگی کے آخری دنوں میں مذہبی رنگ میں ڈوب گئے تھے۔ نعتیہ و منقشی کلام، نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ سنتے تھے کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے کل ہند مشاعرہ میں لازماً مدعو کیئے جاتے تھے اپنا پُر اثر نعتیہ کلام اس انداز سے سنتے تھے کہ مشاعرہ گاہ پر نوروں کی بارش ہونے لگتی تھی۔ میرے زیر انتظام جتنے مشاعرے ہوتے رہے ان میں وہ ضرور شرکت کرتے تھے میرے مشورہ پر انہیں کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے سالانہ جلسہ رحمت اللعالمین میں نعت شریف سنانے کی دعوت دی گئی تھی صنعتی نمائش کے موقع پر ہونے والے سالانہ مشاعروں میں پابندی کے ساتھ مدعو کیئے جاتے رہے۔

جناب عابد علی خان صاحب کی رہائش گاہ پر منعقد ہونے والے مشاعروں کے علاوہ

شہر کی بعض نامور شخصیتوں کے ہاں منعقدہ شعری محفلوں میں شریک ہوتے تھے۔ جیسے بلقیس عمار الدین (بنجارہ پلڑا اور عظمت عبدالقیوم کی رہائش گاہ پر منعقدہ یادگار مشاعرے آج بھی یاد ہیں اور ان مشاعروں کا ناشدولہ دماغ پر چھایا ہوا ہے۔ خسرو صاحب سے بھی منتظین مرثیہ کو شکایت نہیں رہی۔ خسرو صاحب کے مجموعہ **مکالم اکھوا**، صدف اجالوں کی زبان کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ خورشید احمد جاتی کے انتقال کے کئی برسوں بعد خورشید احمد جاتی کی یاد تازہ رکھنے کے لئے خورشید احمد جاتی میموریل اکیڈمی قائم کی گئی۔ خسرو صاحب کی ناسازی مزاج کا وجہ سے سرگرمیوں میں تعطل پیدا ہو گیا تھا البتہ ایک نمائندہ مشاعرہ ادارہ میر اشہر میرے لوگ کی جانب سے جناب عارف قریشی سکریٹری برزم عثمانیہ جدہ نے خسرو صاحب کی رہائش گاہ پر کیا تھا چونکہ وہ حیدر آباد کے منتخب شاعروں کے کلام کا ایک ویڈیو کیسٹ تیار کرنا چاہتے تھے۔ عارف قریشی نے اس مشاعرہ کے ویڈیو کیسٹ کی رسم اجرا تقریب جدہ میں منعقد کی۔ ڈاکٹر حسن الدین احمد نے مشاعرہ کی صدارت کی تھی اس مشاعرے کے بعد جاتی میموریل اکیڈمی کی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں۔ خسرو صاحب کے انتقال کے بعد سے اکیڈمی بالکل خاموش رہی۔ میں نے اکیڈمی کے اس سکوت کو توڑنے کے لئے شخصی دلچسپی اور اس کی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ رائڈ از گزشتہ دو سال سے اکیڈمی کے جلسے منعقد ہو رہے ہیں جناب افتخار احمد اقبال (برادر خور داہیر احمد خسرو) اکیڈمی کے صدر ہیں رئیس اختر منعقد عمومی

صلاح الدین نیر شیر اور جناب شیخ اقبال معتمد اکید ملی ہیں۔ خسرو صاحب
 کی آخری آرام گاہ احاطہ قبرستان کٹل گوڑہ میں ہے خسرو صاحب کی
 وضع داری اور ان کے شاعرانہ یا نچین کو کبھی بھلا یا نہیں جاسکتا۔
 کل ہند مشاعروں میں جب وہ مائیک سنبھالتے تو اندازہ ہوتا تھا کہ
 ایک بے نیاز و قلندرانہ مزاج رکھنے والا شاعر کلام سننے والا ہے
 خسرو صاحب کا ترنم کسی اور شاعر سے قطعی نہیں ملتا تھا جب وہ ترنم
 میں غزل پڑھتے تو مطلع سے مقطع تک داد و تحسین سے نوازے
 جاتے تھے بہت دیر تک خسرو صاحب کے کلام اور ترنم کا اثر سامعین کے
 دل و دماغ پر نقش رہتا۔ نامور شاعرہ عظمت عبد القیوم خسرو صاحب کے
 ترنم سے اس قدر متاثر تھیں کہ وہ اپنے گھر کے مشاعروں میں اپنا کلام خسرو
 صاحب کے ترنم میں سُنا کرتی تھیں خسرو صاحب ادبی ٹرسٹ اور شکر جی
 کل ہند مشاعروں کے علاوہ انجمن ترقی اردو، ادارہ ادبیات اردو کے تمام
 مشاعروں میں شریک رہا کرتے تھے خسرو صاحب نے بے شمار مشاعروں
 کی صدارت کی ہے خسرو صاحب کے بھی بہت سے شاگرد ہوں گے لیکن
 انہوں نے کبھی اپنے شاگردوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ خسرو صاحب
 کو بزرگان دین سے بے حد عقیدت تھی میں نے سنا ہے کہ وہ گلبرگہ میں
 اپنی ملازمت کے زمانے میں حضرت خواجہ بندہ نواز کی بارگاہ میں اپنا زیادہ
 وقت گزارتے تھے پابندی صوم و صلوٰۃ تھے معاشی طور پر مطمئن تھے۔ عارضہ
 قلب کی وجہ سے آخری دنوں میں مشاعروں میں کم کم شریک رہا کرتے تھے

بیت کم لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ خسرو صاحب کتنے ہی اہل عرض
 مفلوک الحال بھاجت مندوں کی مدد کرتے تھے جسے خسرو صاحب بھیج دیتا تھا
 شاعروں میں میرے علاوہ رئیس خضر، ناصر کرنولی، صادق نقوی، پنہال
 سنگھ ورما اور علی الدین نوید کے کلام کو بہت سراہتے تھے خسرو صاحب کی
 شاعری کا اکثر یہ غائر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی شاعرانہ
 خصوصیات کو اجاگر کرنے میں کلاسیکی رنگ کا بہت بڑا دخل ہے کلاسیکی
 شاعری کے رنگ میں عصر حاضر کے تقاضوں کی ترجمانی ان کے اشعار میں
 ملتی ہے ان کے کلام میں تغزل ہوتا ہے مسائل اشعار بھی ان کے کلام میں
 بیشتر ملتے ہیں غزل ہی کی زبان میں مسائل شعر کہتے ہیں سننے اور پڑھنے
 سے بہ تاثیر ملتا ہے کہ ہم ایک ایسے شاعر سے کلام سن رہے ہیں جو زندہ
 زبان میں شعر کہہ رہا ہے خسرو صاحب کو ہم چاہ کر بھی نہیں ٹھیکہ کر سکتے
 اور وہ شاعر تو انہیں سمجھوں ہی نہیں سکتا جس کے ساتھ ان کا سلوک
 مشفقانہ ہی نہیں برادرانہ بھی رہا ہے خسرو صاحب تجھے بھی یاد آنے
 ہیں ان شاعروں کی طرح جو قریب قریب رگ و جان ہیں ہمیں

خیرات ندیم

خوش مزاج۔ شاعر۔ نواز

از صر موت ہے کہ دلیں پر کھڑی دستک دے رہی ہے اور ادھر خبر ندیم
 ہیں کہ مسکراتے ہوئے موت کا استقبال کر رہے ہیں۔ کسی میں اتنی
 ہمت ہے کہ وہ موت جیسی سچی حقیقت سے ٹرتے ہوئے زندگی سے خراج
 وصول کرتا رہے۔ جو شخص پل پل میں مرتا ہے وہ لمحہ جیتتا ہے۔
 خیرات ندیم ہمارے شیر کے ایک ایسے طرح دار شاعرانہ طرزِ حیات
 رکھنے والے شاعر تھے جن کی قدردانیت کو شہر کے دانشوروں نے ہی
 نہیں عام انسانوں نے بھی خراج پیش کیا ہے خیرات ندیم جس فحل میں
 بھی رہتے تھے وہاں زندگی کے سوا کچھ اور دکھائی نہیں دیتا تھا تو یہی شاعر
 ایسے فکر و فن کی دنیا میں اپنا مقام بنالتے ہیں جن کی مرضی سے موسم بدلتے رہتے
 ہیں۔ حالات بدلتے رہتے ہیں۔ تجھے یہ کہتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ
 میں نے خیرات ندیم کے ساتھ بے شمار شاعرے پڑھے ہیں شہر کے ہی

نہیں اضلاع کے بھی اور کل ہند مشاعرے بھی۔ مجھے یاد تھیں ہیں کہ میں نے خیرات ندیم صاحب کو پہلی دفعہ کس مشاعرہ میں سنا تھا لیکن اتنا ضرور یاد ہے کہ جب سے میں نے شاعری شروع کی ہے خیرات ندیم صاحب سے میں واقف ہوں۔ خیرات ندیم صاحب ہمارے شہر کے نمائندہ شاعر تھے شہر کے بڑے شاعروں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ہنایت خوش مزاج محبت کرنے والے مخلص ترین انسان تھے جس مشاعرہ میں بھی وہ شرکت کرتے وہ اپنی شاعرانہ صلاحیت کے ساتھ مشاعرہ پر چھا جاتے اور داد و تحسین سے نوازے جاتے۔ خیرات ندیم برسوں ادبی ٹرسٹ اور شنکر جی کل ہند شاعرانہ میں کلام سنانے رہے۔ ان کا ترنم منفرد تھا۔ میں نے ان کے ترنم کی کاپی کرتے ہوئے کسی اور شاعر کو نہیں دیکھا حالانکہ حیدر آباد میں بہت سے شاعر ایسے بھی ہیں جو ترنم میں کلام سنانے ہیں۔ بہت ہی پاٹ دار آواز بھی ان کا ترنم ان کے انشعار کو دو آہستہ بنادیتا تھا۔ خیرات ندیم اپنی زمین کی قدر و قیمت کا ہمیشہ احترام کرتے تھے بیرونی شعرا سے جب کبھی شعر و ادب کے موضوع پر گفتگو رہتی تو خیرات ندیم چھائے ہوئے رہتے۔ حیدر آباد کی شاعرانہ فضا کو انہوں نے زندگی کے آخری لمحوں تک برقرار رکھا۔ عظمت نہندیب دکن کی پاسداری کرتے رہے اپنے حیدر آبادی ہونے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ خیرات ندیم اپنے خاص شاعر دوستوں سے بے تکلفانہ گفتگو کرتے تھے۔ سعید شہیدی، اوج بخوبی کنول پرشاد کنول جیسے نامور شاعروں سے اس طرح گفتگو کرتے جیسے

ان کے لنگوٹی پار میں کسی اور شاعر میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ حضرت
سعید شہیدی جیسے نازک مزاج شاعر سے بے تکلفانہ گفتگو کرے۔

خیرات ندیم کے ساتھ سفر کرنے میں بے حد لطف آتا تھا وہ تھے تو بہت
سیدھے سادے لیکن شاعرانہ مزاج رکھتے تھے۔ خوش طبع، خوش فکر
انسان تھے اپنی شاعری پر ہی نہیں کسی اور حیدر آبادی شاعر کے کلام پر بھی
بے جا تنقید برداشت نہیں کرتے تھے۔ خیرات ندیم نے بے شمار کل ہند
مشاعرے پڑھے ہیں۔ مجھے ان کے ساتھ کئی کل ہند مشاعروں کے سلسلے میں
سفر کرنے کا موقع ملا ہے ۲۵ سال پہلے علی صدیقی صاحب نے ممبئی کے بہت
بڑے فابیو اسٹار ہوٹل میں ایک شاندار کل ہند شاعرہ منعقد کیا تھا۔

ممتاز میوزک ڈائریکٹر و شاعر نوشاد صاحب نے صدارت کی تھی منتظمین
مشاعرہ میں نامور فلمی اداکار سینل دت شامل تھے مشاعرہ میں حیدر آباد
سے سعید شہیدی، کنول پرشاد کنولی، خیرات ندیم اور صلاح الدین شیر
مدعو تھے اس مشاعرہ میں خیرات ندیم صاحب نے اپنی ایک مرصع
غزل سنائی تھی جس کے اثر سے ساری محفل جھوم اٹھی تھی۔ مجھے ان کے
ساتھ اعلان کے بہت سے مشاعرے پڑھنے کا اتفاق ہوا اکثر دفعہ ہم ذریعہ
کار مشتاعرہوں میں شرکت کے لئے جاتے تھے۔ پتہ ہی نہیں
چلتا تھا کہ ہم گھنٹوں کا سفر کس طرح کٹا۔ خیرات ندیم صاحب
کو بہت ہی عمدہ عمدہ لطیفے یاد تھے ان سے ہر شاعر خوش رہتا۔ کوئی
ایک شاعر بھی ایسا نہیں تھا جو ان سے ناخوش رہا ہو۔

محبوب نگر کے ایک مشاعرہ کے داعی جناب صولت صاحب ایڈوکیٹ تھے جو خود بھی ایک ممتاز شاعر تھے ان دنوں محبوب نگر میں صولت صاحب زیادہ تر مشاعروں کا اہتمام کرتے تھے۔ ایک مشاعرے میں ہم دیر سے محبوب نگر پہنچے۔ تمام شاعروں کو گیسٹ ہاؤز میں لے جایا گیا۔ ڈنر کا اچھا خاصہ انتظام تھا بریانی کے ساتھ میٹھا اتنی کم مقدار میں تھا کہ تمام شعراء تک اس کی رسائی ممکن نہ تھی۔ صولت صاحب کی ہدایت پر طشتریوں میں میٹھا لایا گیا چونکہ میٹھا قریب الختم تھا اس لئے عجیب بھر میٹھا طشتری میں پھیل دیا تاکہ زیادہ دکھائی دے۔ خیرات ندیم صاحب کی جب طشتری پر نظر پڑی تو صولت صاحب کو بلوا کر کہا صولت صاحب یہ میٹھا ہے؟ آپ نے تو طشتری پر پینٹنگ کی ہے۔ صولت صاحب شرمندہ ہو گئے حالانکہ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ خیرات ندیم صاحب نہایت بدلتے ہوئے انسان تھے مگر وہ بھی شاعر کا مذاق نہیں اڑاتے تھے ان کا کلام سیاست اخبار میں پابندی سے شائع ہوتا رہا۔ ماہنامہ صبا اور رسالہ کس میں بھی شائع ہوتا رہا ہے خیرات ندیم کے دو شعری مجموعے ”صفِ مریگاں“ اور ”موتِ بانِ سحرِ شام“ تھے۔ مجھ جیسے جو غیر شاعروں کی پذیرائی میں کبھی بحالت سے کام نہیں لیتے تھے۔ کنول پرشاد کنول سے کچھ زیادہ ہی بے تکلف تھے کبھی کبھی ان کی شاعری کو طریقاً نہ تبصرے سے نوازتے تھے لیکن کنول پرشاد کنول کی قدر کرتے تھے۔

خیرات ندیم کو بہت عجب سے عشق تھا لیکن میں نے کسی مشاعرے میں بھی

ان کو نشہ کی حالت میں لڑکھڑاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ مے نوشی کے بہانے
 کبھی الہوں نے مشاعروں کی فضا کو مکدر نہیں کیا۔ سگریٹ بہت زیادہ
 پیتے تھے۔ خیرات ندیم کا حافظہ بہت تیز تھا انھیں استادہ سخن کے
 بہت سے شعر یاد تھے۔ خیرات ندیم کے لطیفے سنانے کا انداز منفرد تھا۔
 لطیفے سناتے ہی بے ساختہ اس طرح ہنستے تھے کہ ساری محفل پوری طرح متوجہ
 ہو جاتی۔ ہر قسم اور ہر مزاج کے لطیفے سناتے تھے۔ مجاز اور راجہ مہدی علی خان
 سے متعلق بہت سے لطیفے ان کو یاد تھے۔ خورشید احمد جامی صاحب کے شاگرد
 تھے لیکن ان دونوں میں استادہ کی اور شاگردی کا انداز نہیں ملتا تھا آپس میں
 بہت اچھے دوست تھے۔ خیرات ندیم کلاسیکی مکتب خیال کے شاعر تھے
 ترقی پسندانہ شعریں بھی کہتے تھے حیدر آباد کے ترقی پسند مصنفین میں سے ایک تھے۔
 پیشہ درس و تدریس سے وابستہ تھے۔ شہر کے مختلف اسکولوں میں ایک
 منفرد و بہترین استاد کی حیثیت سے شہرت رکھتے تھے۔ شہر کی نمائندہ شخصیات
 سے ان کے روابط تھے چاہے وہ جو نیر ہوں کہ سنیئر شاعر ہوں ہر ایک
 کے ساتھ حبِ مرانہ روابط رکھتے تھے۔ پرانے شہر کے شاعروں میں خاص
 طور پر سجاد شہیدی، ادراج یحیوی، خواجہ شوق، طالب رزاقی،
 ابن احمد ناز سے کچھ زیادہ ہی یارانہ تھا۔ علامہ حیرت بدایونی، مخدوم علی الدین
 شاہ صدیقی، سلیمان اریب اور شاذ نمکت جیسے شہر کے نمایاں شاعروں
 سے بھی بہترین روابط تھے۔ ان کی خوش مزاجی کی وجہ سے بھی شہر کے باشندوں
 لوگ ان سے اپنے مراسم بڑھانے میں دلچسپی رکھتے تھے۔ شاعروں کی گردنی

سے انھیں کسی بھی قسم کا سروکار نہ تھا وہ پرانے شہر کی ہر محل میں شرکت کرتے تھے چاہے وہ علامہ نجم آفندی کی محفل ہو کہ مولانا کامل شطاری کی یا حضرت قدیر علی کی یزم شعرو سخن۔ خیرات ندیم نے اساتذہ سخن اور سینئر شاعروں کی عزت و احترام میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ شاعروں میں کلام محفل کا خیال رکھنے ہوئے اچھے شعر پر داد دینے میں پیش پیش رہتے۔ مقبول شاعر ہونے کے باوجود وہ دوسرے شاعروں کا کلام بھی پوری توجہ سے سنتے تھے اچھے شعر ہوں تو کھل کر داد دیتے تھے۔ خیرات ندیم صاحب خوش مزاج، خوش لباس، باغ و بہار شاعر تھے۔ ٹھیکہ نگری کے عارضہ میں مبتلا تھے ڈاکٹروں کے مشورہ سے ان کا نصف سپر گھٹنے کے نیچے سے کاٹ دیا گیا تھا ڈاکٹروں کی ہی رائے تھی کہ جان بچانے کے لئے سپر کاٹ دیا جائے ورنہ یہ مرض پورے جسم میں پھیل جائے گا اس عارضہ میں تقریباً دو سال تک مبتلا رہے۔ علالت کے زمانے میں محلہ کٹل گورڈ میں واقع اپنے گھر کے دیوان خانے میں وہ ایک تخت پر لیٹے رہتے تھے۔ شہر کے تفریحی تمام شاعران سے ملاقات کے لئے آتے وہ تمام شاعروں سے خوش مزاجی کے ساتھ ملتے تھے شام کے وقت شاعروں کا دربار سہما تھا وہ لطیف سناتے رہتے۔ انہوں نے کبھی یہ اندازہ ہی ہونے نہیں دیا کہ وہ بیماریاں اپنے دوستوں میں گھرے رہتے تھے کبھی کبھی کلام بھی سناتے لیکن زیادہ تر حالات حاضرہ پر گفتگو رہتی۔ مہنی مذاق کا ماحول رہتا۔ ان کی گفتگو کی تان ان کے برجستہ لطائف پر ٹوٹتی تھی خیرات ندیم

کے پاس زیادہ بیٹھنے والے امیر احمد خسرو، ممتاز شاعرہ عزیزان، جہا کے شوہر
احسان اللہ خان، امری نواس لاہوری، میسج انجم اور روشن خیال نٹھ میں بھی
ان کے پاس گاہے گاہے جاتا تھا۔ اکثر دفعہ میں نے ڈاکٹر صادق نقوی کو بھی خیرات ندیم
کے پاس دیکھا ہے خیرات ندیم اس وقت مجلسی انسان تھے کہ ان کے پاس لوگ کھینچے
کھینچے چلے آتے تھے خیرات ندیم کچھ مہینے فلمی تصویر کے ادبی شخص کے ایڈیٹر
رہے۔ شہر کی نامزد ادبی انجمنوں سے وابستہ رہے ان کے شعری مجموعوں میں
ایک مجموعہ کلام صفِ شریکاں ادبی شریک کی جانب سے شائع ہوا وہ شاعروں
کے دکھ درد میں برابر کے شریک رہتے تھے کچھ مہینوں تک پریس عظم جاہ شمع
کے ہاں بھی جاتے رہے ڈاکٹر سید عید المنان کے زیرِ علاج رہے۔ ڈاکٹر صاحب
خیرات ندیم کی شاعری کے بڑے مددگار تھے۔ خیرات ندیم کو مذہبیات سے بھی
گہرا گناہ تھا اپنے محلے کی مسجد چونی ٹی شاہ کے کئی برس تک صدر رہے۔
خیرات ندیم شہزادۃ الادبیات اردو اور انجمن ترقی اردو کے ہر شاعرہ میں مدعو
رہتے۔ ڈاکٹر زور ان کے قدر دان تھے۔ انجمن ترقی اردو کے زیرِ اہتمام شہر
اور اندلاع میں ہونے والی اردو کانفرنسوں کے مشاعروں میں لازماً مدعو
کئے جاتے تھے خیرات ندیم نہایت مافی کو، صاف باطن، پاک طینت انسان
تھے ان کے دوستوں کا حلقہ بہت وسیع تھا سمازی مزاج کی وجہ سے جب کبھی
کہا جاتا تو علالت کے باوجود مشاعروں میں شرکت کرتے تھے یا جو صلہ ہمت والے
شاعر تھے خیرات ندیم صاحب کلبے نیاز طریحات اپنے معاصرین کے لئے قابلِ تقلید تھا
جو حیدر آباد کی شعری، ادبی و تہذیبی تاریخ میں یاد رکھا جائے گا حق تعالیٰ کے عطا کردہ

شاذ تمکنت

نزاکت پسند - نازک مزاج شاعر

شاذ تمکنت سے نہ تو میر کے شغفی مراسم تھے اور نہ ہی وہ میر کے
قریبی دوستوں میں شامل تھے۔ شاذ تمکنت مجھ سے سینئر شاعر تھے
ان کے احباب کا ایک عمدہ حلقہ تھا۔ ان کی نشست و برخاست بھی
اپنے مخصوص دوستوں کے ساتھ رہتی تھی۔ شاذ تمکنت سماع و مینا سے
اپنا گہرا رشتہ رکھتے تھے اور میں ہمیشہ رندوں کی محفلوں سے دور رہتا تھا
(اگرچہ ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ضرور تھا)۔ جہان ناک شاذ صاحب
کی شاعری کا تعلق ہے میں ان کی شاعری کا قدردان ہوں۔ یہ حد پسند کرنا
ہوں وہ ہمارے شہر کے ہی نہیں اردو دنیا کے ایک منفرد و مقبول شاعر
تھے۔ شاذ صاحب نے غزلیں بھی کہی ہیں اور نظمیں بھی۔ فارسی زبان اور
فارسی ادبیات سے واقفیت۔ انکی وجہ سے ان کی شاعری میں فارسی کے بہت
سے الفاظ ملتے ہیں۔ بہت ہی عمدہ شاعری کرتے تھے تحت اللفظ میں شعر

پڑھتے تھے پڑھنے کا انداز پُر اثر ہوتا تھا ان کے ساتھ میں نے بیسویں
 مشاعرے پڑھے ہیں وہ ایک کامیاب اور مقبول شاعر کی طرح محفلوں
 میں چھائے ہوئے رہتے تھے اصداغ کے مشاعروں کے علاوہ ملک کے
 دوسرے علاقوں اور دلی کے مشاعروں میں بھی اُن کا ساتھ رہا ہے۔
 شاذ تمکنت میں شاعرانہ بانچیں، مزاج کی نزاکت اور طبیعت میں
 خاص رکھ رکھاؤ تھا۔ ہمارے شہر کے تمام شاعروں میں شاذ تمکنت کی
 شناخت ان کے مخصوص رکھ رکھاؤ کی وجہ سے بھی باقی رہے گی۔ اکثر
 مشاعروں میں یہ حالت نشہ میں آتے تھے لیکن ان کی مے نوشی نے کبھی
 مشاعروں کی فضا کو بگاڑا نہیں۔ خوش لبی کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے
 انداز گفتگو نیا نکلا ہوتا تھا۔ شاعروں سے اُن کے دوستانہ مراسم کم
 ہی تھے پھر بھی انہوں نے ایک ایسا حلقہ بنا لیا تھا کہ اُن کے آس پاس کچھ
 لوگ جمع رہتے تھے جن میں شاعروں، ادیبوں کے علاوہ عام آدمی بھی ہوتے
 تھے جو شاذ تمکنت کی جاگ و مینا سے نواضع کرتے ہوئے مسرت محسوس
 کرتے تھے۔ شاذ تمکنت صاحب نے ایوننگ کالج جامعہ عثمانیہ سے ایم اے کامیاب
 کیا پے روزگاری کے زملے میں مختلف جگہ کام کرتے رہے۔ بدرو کا کالج میں پارٹ
 ٹائم اور انوار العلوم کالج میں فُل ٹائم لکچرر رہے۔ "خدمتِ محمدی الدین حیات اور
 کارنامے" پیرجامعہ عثمانیہ سے ڈاکٹر معنی تنہم کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کے لئے
 مقالہ لکھا۔ ڈاکٹر بن گئے پھر جامعہ عثمانیہ میں ریڈر شعبہ اردو کی حیثیت سے
 مقرر ہوئے اور تاحیات اسی خدمت پر فائز رہے۔ شاذ تمکنت کا کلام ہندوستان

پاکستان کے معیاری ادبی رسائل میں چھپا رہا۔ روزنامہ سیاست میں بھی ان کا کلام شائع ہوتا تھا حیدرآباد کے مقبول ترین شاعروں میں ان کا شمار ہوتا تھا انہوں نے حیدرآباد میں بعض کل ہند شاعروں کی نظامت کے فرائض بھی انجام دیئے۔ مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کی جانب سے اساتذہ کنگ کوٹھی میں منعقدہ مشاعرہ کی بھی نظامت کی جس میں دلپ کمار صاحب نے شرکت کی۔ انھی اس مشاعرہ میں ہزاروں خواتین و حضرات نے شرکت کی تھی مشاعرہ میں سعید شہیدی، کنول پرشاد کنول، شاذ تمکنت، خیرات ندیم صلاح الدین بنیر، رئیس اختر، ناصر کرنولی اور دیگر شاعروں نے کلام سنایا تھا شاذ صاحب ادبی ٹرسٹ اور شکرچی میموریل سوسائٹی کے کل ہند شاعروں میں بھی پابندی کے ساتھ شرکت کرتے تھے۔ انہیں یہ بھی اعزاز حاصل تھا کہ انہوں نے لال قلعہ کے مشاعرہ میں بھی شرکت کی۔ پاکستان میں بھی مشاعروں کے سلسلے میں مدعور ہے ملک کی تقریباً ہر ریاست کے شاعروں میں کلام سنا چکے ہیں۔ میری ابتدائی شاعری کے زمانے میں کل ہند شاعروں میں کلام سنانے والے شاعروں میں مخدوم جی الدین، شاہد صدیقی، کنول پرشاد کنول، سلیمان اریب، شاذ تمکنت، وحید اختر، عزیز قیسی وغیرہ تھے۔ جاں نثار اختر اور اختر الایمان سے ان کے اچھے خاصے مراسم تھے شہر بار زبیر رضوی، ندا فاضلی سے دوستانہ و شاعرانہ روابط تھے شہر کے تمام ادبی حلقوں میں شاذ تمکنت کی شاعرانہ عظمت کا احترام کیا جاتا تھا ان کے دوستوں میں مشہور قوال عزیز احمد خاں وارثی بھی تھے جنہوں نے شاذ

کہ ایک مناجات "کب تک میرے مول" سنا کر شاذ تمکنت کی شہرت میں
 چار چاند لگا دیئے۔ مناجات و حمد کے علاوہ وارثی صاحب نے شاذ تمکنت
 کی غزلیں بھی ساز پر پیش کی ہیں۔ شاذ تمکنت کے شعری مجموعوں کی تفصیل
 کچھ اس طرح ہے۔ "تراشیدہ" "نیم خواب" "دست قریاد"، بیاض شام
 ورق انتخاب، شاذ تمکنت اپنے شاعرانہ انفرادیت کو کبھی متاثر ہونے نہ دیا۔
 شاذ تمکنت کی نثر بھی بہت عمدہ ہے لیکن انہوں نے شاعری پر زیادہ توجہ
 دی۔ نثر میں ان کے مضامین بہت کم ملتے ہیں بہت سے شاعروں کے کلام پر
 دیباچے بھی لکھے ہیں شاعری میں غالباً شاہد صدیقی سے مشورہ مسخ کرنے
 تھے ان کے ہم مرتبہ شاعروں میں ڈاکٹر وحید اختر کا نام بھی اہم ہے ویسے
 عزیز قیسی بھی ان کے اچھے ساتھی تھے لیکن سلیمان اریب کی سرپرستی اپنی جگہ
 مسلمہ ہے۔ شاذ تمکنت صاحب، محمد موحی الدین، شاہد صدیقی، علامہ
 حیرت بدایونی کی شاعرانہ حیثیت کو دل کی گہرائیوں سے خراج پیش کرنے
 تھے پرانے شہر کے شاعروں میں سعید شہیدی، ڈاکٹر علی احمد جلیلی، اوج
 یعقوبی، خواجہ مشوق، خیرات ندیم کی شاعرانہ اہمیت کے معترف تھے۔
 کنول پرثا کنول کا تذکرہ بھی خوش اسلوبی کے ساتھ کرتے تھے شاذ تمکنت
 ملے پلے (فانی میدان) میں رہتے تھے اسی محلے (حبیب نگر) میں علامہ حیرت
 بدایونی بھی رہتے تھے، علامہ سے ان کی ملاقات کم رہتی تھی۔ شاذ صاحب
 ابوان اردو اور انجمن ترقی اردو کے زیراہتمام ہونے والے مشاعروں میں
 مدحور رہتے تھے اور اپنی منفرد شاعری کے سبب اچھا خاصہ زنگ جھاتے تھے

کثرت سے نوشی نے ان کی صحت کو بُری طرح متاثر کیا تھا ڈاکٹر منان صاحب کے زیرِ علاج رہے۔ ڈاکٹر صاحب شاذ صاحب سے ہمیشہ کہتے تھے کہ شراب ننھا رہے لئے زہر ہے مت پیا کرو لیکن ”چھٹی“ نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی۔ چنانچہ کثرت شراب نوشی ہی ان کی موت کا باعث بنی۔ شاذ تمکنت کی صحت کافی گر چکی تھی بہت کمزور ہو گئے تھے شعبہ اُردو جامعہ عثمانیہ کے اربابِ مجاز کا یہ کہنا تھا کہ شاذ تمکنت کبھی وقت پر یونیورسٹی نہیں آتے تھے ب اوقات آتے بھی نہیں تھے لیکن ان کی شاعرانہ عظمت کے سبب اُن سے کافی رعایت کی جاتی تھی ماہنامہ صبا میں شاذ تمکنت کا کلام چھپتا تھا غزلیں ہی نہیں نظمیں بھی شائع ہونی تھیں۔ ان کا مجموعہ کلام تراشیدہ بھی کافی مقبول ہوا ناشر حافی بکڈپو کے اربابِ مجاز ہیں۔ پروفیسر مغنی تبسم اور عوض حمید اُن کے خاص دوستوں میں شامل تھے۔ شاذ تمکنت صاحب اپنے شاعرانہ پہچان کے سبب حیدرآباد کا نام روشن کیا۔ شاذ تمکنت کی شاعری پر بہت کچھ لکھا جانا چاہیے۔ آج نہیں تو کل ضرور لکھا جائے گا حیدرآباد میں بہت سے ایسے اعلیٰ درجے کے شاعر گزرے ہیں جن پر حیدرآباد کے قلم کاروں کو لکھنا چاہیے۔ شاذ صاحب کنول پر شا دکنول کی دُورن نوازی کی وجہ سے رسالہ آندھرا پردیش میں مستقل طور پر کتابوں پر تبصرہ لکھا کرتے تھے جہاں سے انھیں مناسب معاوضہ ملتا تھا۔ رسالہ آندھرا پردیش میں اُن کا کلام بھی شائع ہوتا تھا۔

شاذ تمکنت صاحب نے ریڈیو اور دور درشن کے ذریعہ اپنے
 کلام سے ادب دوستوں کو استفادہ کا موقع فراہم کیا۔ ہندی
 کے مشہور شاعر نہپال سنگھ ورماساذ تمکنت کے بہترین دوستوں
 میں سے ایک ہیں۔ ورماساحب کو شاذ صاحب "راجے" کہہ کر
 مخاطب کرتے تھے۔ شاذ تمکنت کا انتقال ۱۸ اگست ۱۹۸۵ء کو ہوا اور
 انھیں احاطہ درگاہ یوسفین کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔